Title - ADABI JAWAHIR.

Creator - Sayyed Mohd. Nawab Ali Rizvi

Publisher - Maisers Bakhtawar And Kalaajraan Kutb (Aligarh).

Date - 1934

Pages - 56

Subjects - Urdu Mazameen.

M.A.LIBRARY, A.M.U.
U21056

ادبی جواہر

مرتبہ

[illegible] داب علی رضوی بی ٹی۔ ایف سی آئی۔ ایم پی ٹی۔
مسلم یونیورسٹی سکول علی گڑھ

سنہ ۱۹۳۴ء

نادر اینڈ کو تاجران کتب رسل گنج علی گڑھ

نے
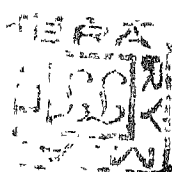
اختر پرنٹنگ ورکس علیگڑھ میں طبع کرایا

بار اول　　　تعداد ایک ہزار　　　قیمت مجلد ۱۲ر

٢١٠٥٦ 187/75

فہرست مضامین حصۂ نثر

فہرست مضامین حصۂ نظم

سونے کی چڑیا

اہل سیرت بیان کرتے ہیں کہ جب تبلیغ اسلام کے آفتاب کی روشنی نے
عرب کی ان وادیوں کو روشن کر دیا جو صدیوں سے کفر ضلال کی ظلمت
سے تیرہ و تار ہو رہی تھیں۔ تو اہل قریش کو غایت بے چینی ہوئی۔ اور انھوں
نے قسم قسم کے منصوبے دل میں گانٹھنا شروع کئے۔ آخر ایک روز سب
نے آپس میں یہ مشورہ کیا۔ کہ محمد صاحب کی ان بیباکیوں نے ہم کو اس
درجہ نیچا دکھایا ہے کہ اب وہ کھلم کھلا ہمارے معبودوں کی مذمت کرتے
ہیں اور ہمارے آباؤ اجداد پر الزام لگاتے ہیں۔ کہ وہ بت پرست تھے۔
اس آفت کو کسی طرح ٹالا جائے تاکہ ہماری آنے والی نسلیں اس تو قدرے
محفوظ رہیں ورنہ آپ دیکھنا ایک وہ دن ہوگا کہ تمام دنیا میں اسلام پھیلا
ہوگا۔ اور پھر ہم کچھ نہ کر سکیں گے اس سے بہتر یہی ہوگا کہ محمد صاحب کے
پاس چلو اور ان سے کہہ دو کہ اگر وہ فی الحقیقت جیسا کہ ان کا خیال ہے سچے
نبی ہیں تو ضرور کوئی کافی ثبوت دینگے ورنہ ہم کو کامیابی ہوگی۔

یہ مشورہ کر کے اہل قریش سرکار دو عالم کے در دولت پر حاضر
ہوئے۔ اور کہا ہم آپ سے کچھ عرض کرنا چاہتے ہیں تاجدار مدینہ نے نہایت
خلوص سے فرمایا کیا ارشاد ہے۔ کہا کہ ہم یہ دیکھتے ہیں کہ آپ کی جو مشن

کام کر رہی ہے یہ ہمارے خلاف کام ہو رہا ہے۔ یعنی ہمارے معبودوں کو
برا بھلا کہنا اور لوگوں کو دائرۂ اسلام میں لانا ہم کو سخت ناگوار ہے۔ اگر
آپ سچے نبی ہیں تو کوئی معجزہ ہم کو دکھائیے۔ اگر وہ صحیح ہوگا تو ہم کو کوئی
عذر آپ کی کارروائی موجودہ کے کرنے میں نہ ہوگا۔ اور اگر ہم کو کامیابی
ہوگی تو ہم ضرور یہ آپ کا ڈھکوسلہ جو آپ نے پھیلا رکھا ہے بگاڑ دینگے

محبوب کردگار نے فرمایا کیا معجزہ آپ لوگ طلب فرماتے ہیں
کہا ہم لوگ صرف یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ آپ ایک آدمی کو شعلہ فشاں
آگ میں ڈالیں۔ اور وہ نہ جلے یعنی زندہ نکل آئے۔ تو ہم ضرور ایمان
لائیں گے۔ حضور اکرم نے یہ سوال سنکر ارشاد فرمایا۔ اچھا آپ ٹھہریں
اس کا انتظام میرا رب کر دے گا۔ آپ نے تھوڑی دیر تامل کیا۔ فوراً
حکم باری آیا کہ کہدو محمدؐ ہاں آگ میں جس شخص کو ڈالو گے وہ ہرگز نہیں
جلے گا۔ یہ سن کر آپ نے کہا اے اہل قریش آپ مجھ کو کیوں پریشان
کرتے ہیں۔ اور ایسے ایسے سوال کرتے ہیں حالانکہ چند مرتبہ آپ لوگوں کو
ثبوت ہو گیا یعنی ابوجہل کے ہاتھوں میں کنکریوں کا بولنا۔ اور درخت
کا جڑ سمیت پاس آنا کوئی معمولی بات نہیں ہے۔

آپ نے اپنے صحابہ کی طرف دیکھا اور کہا اس خدمت
کی انجام دہی کے واسطے کون تیار ہے۔ کہتے ہیں حضرت ابوسعید خدری
نے ایک جوش و خروش کے ساتھ عرض کی کہ اے نبی پاک یہ کمترین۔

ایک مدت سے اس بات کا منتظر تھا کہ کوئی موقع آئے تو یہ جان نثار حضورِ اقدس کے قدموں پر نثار ہو جائے۔ پس آج میرے اللہ نے وہ دن دکھایا۔ لہٰذا یہ غلام اس خاکساری کے واسطے تیار ہے۔ اہلِ قریش سے فرمایا کہ آپ تاریخ مقرر فرمائیں۔ کہ کس روز یہ تماشہ قدرتِ الٰہی کا دیکھنا چاہتے ہیں۔ انھوں نے کہا ہم ایک جگہ آگ جلاتے ہیں۔ جب وہ آتش شعلہ فشاں ہوگی تو ہم آپ کو اطلاع دینگے۔ آپ وہاں تشریف لائیے۔ اور یہ معجزہ دکھایئے۔

پس اُن کافروں نے ایک وسیع مقام پر بہت سی لکڑیاں جمع کرکے آگ دیدی اور جب وہ سب لکڑیاں جلکر شعلہ فشاں ہوئیں تو آتش امتحان حبیب الٰہی کے واسطے تیار ہوگئی۔ اور آپ کو اطلاع دی آپ وہاں ایک مجمع کثیر صحابہ کے ہمراہ ابوسعید خدری کو ساتھ لے کر پہونچے حضرت ابوسعید خدری دولہا بنے مشتاق دیدار الٰہی ہی کے دیوانہ وار صورت بنائے کھڑے تھے۔ اور آگ شعلہ مار رہی تھی۔ یہ دیکھکر کافروں کا گروہ خوش ہو رہا تھا۔ کہ آج (نعوذ باللہ) محمدؐ صاحب کو نیچا دیکھنا پڑیگا پس کافران قریش نے کہا اے محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ ایک اپنے آدمی کو اس آگ میں ڈالیں اگر وہ تین آوازیں دینے کے بعد زندہ نہ نکلا تو آپ کو شکست فاش ہوگی۔ اور اگر وہ زندہ نکلا تو ہم آپ کو سچا نبی خدا کا مانینگے۔ اور ہم آپ پر ایمان لائیں گے۔

یہ تمام شرائطیں طے ہونے کے بعد حضور مکرم تاجدار مدینہ نے حضرت ابوسعید خدری کی طرف دیکھکر فرمایا کہ اے ابوسعید خدری جاؤ اللہ کی حفاظت میں اور ان کو خدا کی کرشمہ سازی دکھادو۔ اور ان کی پیشانی پر بوسہ دیا حضرت ابوسعید خدری چونکہ جوش دخمر دش میں مدہوش ہو رہے تھے اللہ کا نام لے کر جست جو کی تو آگ کے اندر تھے۔ آپ کو اللہ کی محبت کی آگ نے فوراً آغوش میں لے لیا۔ کافر یہ دیکھ کر بغلیں بجانے لگے اور خدا پرست اس کا بھروسہ کئے کھڑے تھے۔ چند منٹ کے بعد محبوب الہی سردار کونین نے آواز دی کوئی نہیں بولا دوسری پھر آواز دی پھر بھی کوئی نہیں بولا۔ یہ دیکھکر طبقہ کفرین کے چہروں پر استہزا کی لہر دوڑنے لگی۔ اور کہا اجی اب وہ کہاں زندہ ہے جل بھن بھی گیا۔

لیکن شیفتگانِ محمدی کے چہروں پر نور حقیقی کی جھلک جھلکنے لگی۔ یہ دیکھکر سردار دو عالم نے پھر تیسری بار آواز دی کہ اے ابوسعید خدری بحکم رب العالمین جلد آگ سے نکل تیرے انتظار میں اہل اللہ کھڑے ہیں اس آواز کا پہونچنا تھا کہ اس آگ سے جو شعلہ جوالہ بنی ہوئی تھی۔ حضرت ابوسعید خدری ہنستے ہوتے نکلے۔ اور ایک بال پر بھی آنچ نہیں آئی تھی سرکار دو عالم تاجدار مدینہ نے دریافت کیا کیوں اے ابوسعید خدری تم نے اس قدر آنے میں کیوں دیر کی۔ کیا سبب تھا۔

حضرت ابوسعید خدری نے فرمایا اے حبیب اللہ دیر کے ہونے کا کچھ سبب نہ پوچھئے جس وقت میں نے آنکھیں میچ کر آگ میں قدم رکھا تھا۔ تو وہ تمام آگ ایک خوشنما پھولوں کا چمن بن گئی۔ جس کو میں دیکھکر ششدر ہوگیا۔ اور جب آپ نے آواز دی تو مجکو حضرت جبرئیل اپنے ہمراہ لے گئے۔ اور کہا آؤ میں تم کو تمہارا مکان جنت میں دکھادوں۔ پس میں اُس مکان کے دیکھنے میں مصروف ہوگیا۔ کہ اسی اثنا میں آپ نے دوسری آواز دی جب میں نے آنے کا ارادہ کیا تو جبرئیل علیہ السلام نے کہا اب آئے تو ہو آؤ اور جنتیوں کے بھی مکان دیکھتے جاؤ میں نے بھی اپنے دل میں خیال کیا کہ ابھی تو ایک آواز اور شرط باقی ہے۔ لاؤ دیکھتا ہی چلوں جب حضور اکرام تیسری آواز دیں گے تو میں جھٹ سے پہونچ جاؤنگا پس جب حضور نے تیسری آواز دی یہ غلام حاضر ہوگیا یہ سنکر تمام حاضرانِ اہل قریش ایمان لائے۔

ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ چند اعرابی مکہ معظمہ کی طرف سے بغرض حصول اسلام آئے۔ اہل قریش اور ابوجہل نے اُن لوگوں سے کہا آپ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس جاتے تو ہو۔ پہلے ان سے کوئی معجزہ طلب کرنا۔ اگر انھوں نے کوئی معجزہ تمہارے حسب دلخواہ تم کو دکھادیا تو تم ایمان لانا اگر ایسا نہ ہو تو واپس چلے آنا۔ ان لوگوں نے کہا ہم کیا معجزہ طلب کریں۔ تو کہا چلو ہم بھی تمہارے ساتھ چلیں اور یہ

لوگ روانہ ہوگئے۔ اور پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے آکر کہا کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم چاہتے ہیں کہ آپ ہمیں کوئی ایسا معجزہ دکھادیں کہ جس کے دیکھنے سے ہمارے دل کو تسلی ہوجائے۔ اور ہم آپ پر ایمان لائیں آنحضرت نے فرمایا آپ لوگ کیا معجزہ دیکھنا چاہتے ہیں۔ کہا ایک پتھر سفید اس میدان میں پڑا ہوا ہے۔ اس پتھر کا رنگ مثل گل سرخ کے ہو جائے اور اس سے ایک سونے کا درخت چھ شاخ کا پیدا ہوئے اور ہر شاخ میں ستر پتے ہوں اور وہ شاخیں پھولوں سے بھری ہوں اور ہر پتہ پر کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ لکھا ہوا ہوئے۔ اور اس کی ہر شاخ میں چھ قسم کے میوے لگے ہوں اور ہر میوہ میں چھ قسم کا مزہ مثل کھجور اور امرود اور سیب اور انار بیر ہو اور ہر شاخ میں ایک ایک چڑیا سفید ہوئے۔ اور منقار اس کی سونے کی اور پاؤں اس کے مانند لعل کے ہوں اور وہ بزبان فصیح آپکی نبوت پر گواہی دے۔ پس اگر ایسا ہوگیا تو پھر ہم کو کوئی عذر ایمان لانے میں نہیں ہوگا۔

یہ سنکر پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی۔ اے اللہ تعالیٰ تو مجھکو یہ معجزہ عطا فرما۔ پس یہ زبان سے نکلنا تھا۔ کہ اتنے میں جبرائیل علیہ السلام تشریف لائے۔ اور کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے جو دعا مانگی۔ اللہ تعالیٰ نے وہ قبول فرمائی اب آپ جو خواہش کریں گے خدا کے فضل سے وہ سب ظہور میں آئیگا۔ یہ سنکر پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اس

پتھر کی طرف اشارہ کیا معاً اشارہ کرنے کے درخت اور چڑیا وغیرہ جیسا
کہ اُن اعرابوں نے کہا تھا۔ ویسا ہی قدرت الٰہی سے ظاہر ہو گیا۔ اہل قریش
یہ معجزہ دیکھکر بولے ہم کو ہرگز یقین نہیں آتا ہم تو یہ کہنے کو تیار ہیں کہ یہ
جادو ہے جس کے زور سے آپ نے یہ عمل کیا ہے۔ لیکن وہ اعرابی اللہ
کی قدرت کا تماشا دیکھکر ششدر رہ گئے۔ اور جھٹ سے سجدے میں گر
گئے اور فوراً ایمان لائے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے عہد میں ایک پارسا عورت دن رات
باوضو رہا کرتی تھی۔ حسن اتفاق سے ایک دن اس نے تنور جھونکا جب
تنور تیار ہو گیا۔ تو اتفاق سے زیادہ گرم ہو گیا۔ اس نے سوچا لاؤ نماز کا
وقت تنگ ہو جاتا ہے نماز ہی ادا کر لوں ہیں گود سے بچہ کو اتار نہایت
پابندِ نماز میں مشغول ہو گئی۔ اور دنیا و مافیہا کی خبر نہ رہی بچہ نا سمجھ تھا۔
گھٹنوں چلتا تھا تنور سے شعلہ نکل رہے تھے۔ اُن کو دیکھکر گود سے اترتے
ہی سیدھا تنور پر پہنچ گیا۔ چونکہ تنور زمین دوز تھا۔ بچے نے جا کر تنور میں
جھانکا شدنی امر بچہ تنور میں گر گیا۔

اس عورت کی عبادت کی برکت سے وہ آتش شعلہ زن فوراً
گلزار ابراہیم بن گئی یعنی تمام آگ پھولوں کا چمن بن گیا۔ بچہ وہاں خوب
کلکاریاں بھر بھر ہنسنے لگا۔ اتفاق سے شوہر باہر سے جو گھر میں آیا تو بیوی
نماز پڑھ رہی تھی۔ اور بچہ کی کلکاریوں کی آواز آ رہی تھی۔ لیکن کہیں

نظر نہیں آتا تھا۔ ہر چند ادھر ادھر مکان میں تلاش کیا جب کہیں پتہ نہیں
چلا تو تنور کی طرف جھپٹا دیکھا تو بچہ تنور کے اندر پڑا ہنس رہا تھا باپ کا دل
کانپ گیا جلدی سے گود میں اٹھا کر منھ چوم لیا۔ بچہ کو اٹھانا تھا کہ شعلہ ہائے
آتشیں بچہ کے ساتھ ساتھ آئے۔ وہ نیک مرد اس سانحہ عجیب کو دیکھ
کر حیران رہ گیا۔

اتنے میں بی بی نے نماز سے فارغ ہو کر سلام پھیرا شوہر نے
تمام واقعہ دل خراش بیان کیا۔ وہ عورت سنکر بیحد مسرور ہوئی اور کہا
قربان تیری شان بے نیازی کے تو واقعی پرستش کرنے کے قابل ہے
یہ تمام کرامات اسی عبادت الٰہی کے تھے جو معصوم بچہ شعلہ فشاں تنور میں
گرا اور نہ جلا ورنہ آگ کا کام ہے جلا دینے کا لیکن جس وقت بچہ گرا بحکم
رب العزت فرشتوں نے آکر آگ کو پھولوں سے تبدیل کر دیا جب بچہ کو
اس کے باپ نے اپنی گود میں اٹھا لیا تو وہ پھول پھر آگ ہو کر شعلہ زن
ہو گئے۔ یہ تمام کام اس عورت کے عبادت کرنے کی برکت کے باعث ہوا۔
اس لئے ہر انسان کو لازم ہے اپنے عہد زندگی میں کچھ وقت نکال کر خدا کی
عبادت کرتا رہے تاکہ بعد مرنے کے وہ گناہ جو اس سے سرزد ہوئے ہیں
اور بعد مرنے کے آتش بن کر نمایاں ہونگے وہ پھول ہو جائیں گے ؎

بندگی بندوں کی اللہ کو آتی ہے پسند
عبادت سے ہو طلبگار حصول نعمت

گر خدا کی عظمت کا تمہیں کچھ دھیان نہیں
تو نہ ہوگی تمہیں بھی کوئی شان عظمت

۹

سلطان عالم مرزا واجد علی شاہ سلطنت اودھ پر سریر آرا ہیں
وزیر اعظم نواب امین الدولہ معزول اور مدار الدولہ نواب علی نقی خاں
وزیر ہوئے ہیں۔ کچھ لوگ نواب علی نقی خاں کے خلاف کوئی کارروائی کرنا چاہتے
ہیں۔ ایسی سازش شاہی مصاحبوں کے سوا۔ اور کون کر سکتا ہے۔

ان دنوں دارالسلطنت میں ایک نیا گل کھلا۔ قیصر باغ کے قریب،
در دولت کے راستے میں ایک قدیم کہنہ عمارت تھی۔ اس کی دیواریں اور
چھتیں سب ڈھہری تھیں۔ یہ عمارت ہمیشہ خالی پڑی رہتی تھی۔ سازش
کا جال اسی جگہ بچھایا گیا جس رات کو یہ تجویز ہوئی۔ اسی کی صبح کو ایک
مصاحب نے بادشاہ سلامت سے یوں گذارش کی۔ حضور فدوی نے
رات کو خواب میں دیکھا کہ قیصر باغ کے پاس والی کہنہ عمارت میں شاہ جن
تشریف فرما ہیں۔ اور حضرت سلطان عالم سے ملنے کی خواہش ظاہر کرتے
ہیں۔ ان کے رعب و جلال نے میری زبان بند کر دی تھی۔ بہزار دقت
اتنی جرات کی کہ دست بستہ ہو کر ملاقات کا وقت دریافت کر لیا ارشاد
ہوا کہ شب پنجشنبہ کو بارہ بجے ملاقات ممکن ہے۔

دو اور مصاحبوں نے کچھ ردوبدل کر کے بادشاہ کو آمادہ
کر لیا۔ اور شاہ جن سے ملاقات کا تہیہ ہو گیا۔ مگر رازداری کی تاکید

سر دی گئی۔ کیونکہ جنات کا معاملہ تھا۔ اور بادشاہ نے بھی اس کو قبول فرمالیا تھا۔ پھر بارہ بجے رات کو اسی شکستہ عمارت میں تشریف لے گئے آپ کے وارد ہوتے ہی دفعتاً ایک روشنی ہوئی اور نیچے والی چھت پر ایک دراز قد سفید رنگ، دراز ریش، مہیب صورت نظر آئی۔ جس نے آتے ہی کہا "اسلام علیکم اے شاہ اختر" بادشاہ کے رونگٹے کھڑے ہو گئے منہ سے کچھ جواب نہ نکلا۔ پھر اس نے کہا تمہارا ہمارے پاس آنا بہت مبارک ہوا۔ اب تمہاری مشکلیں آسان ہو جائینگی۔ اب بادشاہ کی جھجک نکل گئی۔ اور انھوں نے فرمایا۔ مصاحب الدولہ کا خواب سنتے ہی اشتیاق دید سے بیچین ہو گیا تھا۔ بارے دیدار حاصل ہو گیا۔

شاہ جن۔ اول تو سلطنت کے کاموں سے فرصت نہیں ملتی۔ دوسرے پریوں کے گانے کا شوق ہر وقت اسی کے سننے میں محو رکھتا ہے۔ ایک رات کو بارہ بجے کے بعد میرا تخت رواں قیصر باغ کی طرف سے گذرا آپ کا جشن شاہی برپا تھا۔ خود آپ کی زبان مبارک سے ایک چیز سُنی۔ جی لوٹ گیا۔ ملنے کا شوق ہوا۔ اسلئے مصاحب الدولہ کو خواب میں بشارت دے کر آپ کو بلوایا ہے۔

بادشاہ۔ نوازش۔ کرم۔ میں کہاں تک شکریہ ادا کروں۔ میرے لائق کوئی خدمت فرمایئے بسر و چشم بجالاؤں۔

شاہ جن۔ اہا۔ آپ میری خدمت کریں گے۔ جن و پری میری

خدمت گذاری کے لئے کیا کم ہیں۔ ہاں آپ کو کسی ضرورت کا سامنا ہو تو مجھے یاد کیجئے۔ مگر انسان کا مجمع نہو۔ مجھ کو اس سے سخت نفرت ہے میرے پاس آئیں تو زیادہ آدمی لیکر نہ آئیں۔ اس وقت آپ کے ہمراہ کون لوگ ہیں۔

بادشاہ۔ ایک تو یہی مصاحب الدولہ ہیں۔ دوسرے رضی الدولہ۔ اور تیسرے انیس الدولہ۔

شاہ جن۔ کیا آپ کو ان پر اعتماد کامل ہے؟

بادشاہ۔ ہاں یہ میرے جاں باز رفیق ہیں۔ اور مجھے ان پر کامل اعتماد ہے۔ ایک شخص اور بھی ہے۔ مدار الدولہ علی نقی خاں وزیر۔

شاہ جن۔ خیر مصاحب الدولہ۔ رضی الدولہ۔ اور انیس الدولہ آپکے معتمد ہیں۔ تو مجھے کچھ عذر نہیں۔ ان کو ساتھ لایا کیجئے۔ لیکن مکرام علی نقی کا نام میرے سامنے نہ لیجئے۔ اس پر اعتماد کرنا یا اس کو میرے پاس لانا۔ آپ کو میری دوستی سے محروم کر دیگا۔ (یہ کہکر فرمایا) اچھا خدا حافظ تو چندی جمعرات کو پھر اسی وقت ملاقات ہوگی۔ یہ کہتے ہی چشم زدن میں روشنی اور شاہ جن دونوں غائب ہو گئے۔

بادشاہ شاد و مسرور محلسرائے میں واپس پہنچے۔ دوسرے دن تخلیہ کی صحبت میں مصاحبین سے شاہ جن کا تذکرہ ہوتا رہا۔ آئندہ ملاقات میں امتحانی فرمائشیں تجویز کی گئیں۔ اور خدا خدا کر کے انتظار

کی مدت ختم ہوکر نوچندی کی جمعرات آگئی۔ رات کے بارہ بجے بادشاہ مع مصاحبین خاص کے اسی قدیم عمارت میں داخل ہورہے تھے کہ عمارت کے اندر پہلے روشنی نمودار ہوئی۔ اور پھر زور سے تڑاقا ہوکر شاہ جن سامنے آگئے۔ اور نمودار ہوتے ہی کہا۔ السلام علیک اے شاہ اختر۔

بادشاہ۔ وعلیک السلام۔

مصاحب الدولہ۔ آج جناب کی تشریف آوری میں خلاف معمول ہیبت ناک آواز ہوئی۔

شاہ جن۔ بعض جنوں کے منہ سے شعلے بھی نکلا کرتے ہیں۔ کوئی خوف کی بات نہیں

آج کی صحبت میں بادشاہ نے تازہ الائچیاں۔ مصاحب الدولہ نے تازہ پھول۔ اور انیس الدولہ نے تازہ مچھلی منگوا دینے کی فرمائش کیں۔ اور شاہ جن نے ہوا میں ہاتھ بلند کرکے سب کی مطلوبہ چیزیں ان کے سامنے پھینکدیں۔ بادشاہ کی عقیدت بڑھی یاروں کا مقصد پورا ہوا ملاقاتیں بھی جلد جلد ہونے لگیں۔ بادشاہ نے شاہ جن سے آب حیات منگوا دینے کی فرمائش کرنا چاہا۔ لیکن پینگ بڑھنے اور یکجہتی کے کمال کا انتظار تھا۔ یاروں نے پریوں کی دعوت تجویز کی۔ کہ اس طرح شاہ جن پر بار احسان پڑیگا۔ کئی ملاقاتیں گذر گئیں اور بادشاہ کی طرف سے وقتاً فوقتاً ہزار ہا روپیہ بطور نذر ہوتا رہا مگر حرف مطلب زبان پر نہ آیا۔

نوچندی جمعرات کے بارہ بجے رات کو قدیم عمارت میں شاہ
جن جلوہ گر ہیں سلطان عالم مصاحبین راز دار کو ہمراہ لئے موجود
ہیں۔ آج شاہ جن کی آمد معمول سے بہت زیادہ تزک و احتشام کے ساتھ
ہوئی ہے اور بادشاہ شاہ جن سے فرماتے ہیں" میں چاہتا ہوں کہ تمام کوہ
قاف کی پریاں میرے یہاں مہمان ہوں تاکہ دعوت و مدارات
کے فرائض بجالاؤں۔

شاہ جن۔ ہائیں۔ کیا آپ یہ چاہتے ہیں کہ پریاں انسانوں کی ہم بزم ہوں
بادشاہ۔ خوشی تو یہی ہے ہم بزم و ہم کلام بھی ہوں۔
شاہ جن۔ سخت مشکل ہے ہماری قوم انسانوں سے نافرہی۔ مبادا وہ
آئیں اور کوئی فساد ہو جائے۔ اسی لئے ہم انھیں عالم کون و فساد
میں آنے سے مانع ہیں۔ پھر ان کی غذا ایسی چیزیں ہیں۔ کہ عالم انس
کی کوئی سلطنت انکو مہیا نہیں کر سکتی۔ ہاں یہ ممکن ہے کہ ہم آپ کی
طرف سے کوہ قاف کی چند پریوں کو دعوت دیں انکا یہاں بلانا تو مناسب نہیں
بادشاہ۔ خیر یہ ہی سہی۔

بعد کی ملاقات میں بادشاہ کی طرف سے ایک لاکھ روپیہ
شاہ جن کو پیش کیا گیا۔ تاکہ پریوں کی دعوت میں صرف کیا جائے۔ شاہ
جن روپیہ قبول کر کے رخصت ہو گئے۔ جمعرات کو پھر آئے۔ اور بادشاہ
سے پریوں کا پیغام تشکر سنا دیا۔ اسی کے ساتھ یہ بھی کہا کہ ان میں

سے ایک ملکہ آپ کے دربار میں آنیکی درخواست کرتی تھی۔ مگر میں نے بنظر احتیاطاً ابھی اجازت نہیں دی ہے۔ بادشاہ نے کہا واہ میں تو پریوں کا مشتاق دیدار ہوں۔ اور اُن کے گانا سننے کی تمنا رکھتا ہوں۔

شاہ جن۔ آپ اُن کو اصلی شکل میں دیکھیں تو بیک نظر خوش کر جائیں گے پریوں کا تخت رواں چار ہیبت ناک دیوؤں کے کاندھوں پر رہتا ہے ان شریر اور خونخوار دیوؤں کی ہیبت دیکھکر انسان کا زہرہ آب ہو جاتا ہے اور وہ ہرگز زندہ نہیں بچ سکتا۔

بادشاہ۔ مگر جناب کوئی ایسی ترکیب فرما سکتے ہیں کہ ہم پریوں کو تو دیکھیں اور دیوؤں کو نہ دیکھیں۔ اور اب تو آپ نے آتش شوق کو بھڑکا دیا ہے۔ برائے کرم ملکہ کو ضرور دکھا دیجئے۔

شاہ جن۔ اچھا میں کوئی صورت تجویز کروں گا۔ اور آپ صرف دیدار سے محظوظ ہونگے۔ یہ کہتے ہوئے اچانک غائب ہو گئے۔

رفتہ رفتہ دربار میں بھی شاہ جن کا چرچا پہنچ گیا۔ لوگوں نے سراغ لگانا شروع کر دیا۔ کہ کیا راز ہے۔ آخر مدار الدولہ وزیر علی نقی خاں کو بھی ایک معتبر ذریعہ سے سب پتہ مل گیا۔ اور شاہ جن کے اسرار ظاہر ہو گئے۔ مخبر نے سازشیوں کے نام اور شاہ جن کا مقام بتا دیا۔ وہ بھی اسی جیرگر کا آدمی تھا۔ مگر مال غنیمت کا حصہ نہ ملنے کی وجہ سے پھوٹ کر مخبر بن گیا۔

نوچندی جمعرات کو رات میں گھڑیال نے بارہ بجائے۔ اور ویران و سنسان عمارت میں شاہ جن نمودار ہوئے۔ بادشاہ و مصاحبین موجود تھے۔ کہ یکایک شاہ جن نے ایک آہ کی اور چھت کے اوپر سے نیچے آرہے۔ ایک شخص ان کی ٹانگ پکڑے ہوئے گھسیٹ رہا تھا۔ اور دو مسلح آدمی اس کے ساتھ تھے۔ یہ کون تھا۔ مدار الدولہ علی نقی خاں وزیر پھر تو چاروں طرف سے مسلح سپاہی آپڑے جنھوں نے عمارت کے اندر جتنے آدمی تھے۔ سب کو پکڑ لیا۔ علی نقی خاں شاہ جن کو گھسیٹتا ہوا۔ بادشاہ کے سامنے لے آیا۔ اور وہاں ڈالدیا وہ شیر کی کھال پہنے تھا۔ بادشاہ نے اسکو صورت آشنا پایا۔ اور غضبناک ہوکر کہا۔ سچ بتا تیرا نام کیا ہے۔ اب وہ گرفتار ہو چکا تھا۔ وزیر نے کہا جلد نام بتا۔ مصنوعی شاہ جن۔ گڑگڑا کر بولا۔ فدوی کو مرزا صادق کہتے ہیں۔ پیٹ کے لئے یہ سب کرشمے کرتا تھا۔ بادشاہ کو نہایت طیش آگیا تھا۔ فرمایا کہ سب نمک حراموں کے ابھی سر اڑا دو۔ مرزا صادق وزیر کے قدموں پر گر پڑا۔ اس نے سفارش کرکے جان بخشی کرادی۔ مگر دوسرے دن دربار میں مقدمہ پیش ہوا۔ کچھ سازشیوں کو قید اور بعض کو جلاوطنی کی سزا ملی۔ نمک حرام مصاحب نظر بند کردیئے گئے۔ اور بڑی مشکل سے کئی ماہ بعد وزیر نے ان کو معافی دلوائی۔

جون پور کے بڑے بازار کی پشت پر جنوب کی طرف ایک چھوٹا سا بازار ہے۔ بڑا بازار چونکہ قریب ہی ہے۔ خرید و فروخت اس بازار میں کم ہوتی ہے۔ چنانچہ اس وقت بھی سکون کا عالم ہے۔ کافی وقفہ کے بعد اکے دُکے راہ گیر کا گذر ہو جاتا ہے۔ دوکانداروں میں کوئی اُونگھ رہا ہے کوئی زانوں پہ کہنی ٹیکے ہوئے ٹکٹکی باندھے سڑک کی طرف دیکھ رہا ہے دروازے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر گویا اس ہو کے عالم کا نظارہ کر رہے ہیں۔ کسی فقیر کا بھی گذر اس طرف نہیں ہوتا۔

ممتاز خاں پولیس انسپکٹر ایک گلی میں سے نکلا۔ بھورا رنگ، دراز قد، کوٹ کے بٹن کھلے ہوئے۔ ہاتھ کی چھڑی کو ہاتھ میں گھماتے ہوئے نہایت وقار کے ساتھ ناک کی سیدھ میں چلا جا رہا ہے۔ ایک کانسٹبل پھولوں کی ٹوکری لئے ہوئے۔ اس کے ساتھ ہے۔ اتنے میں اُسے کئی آوازیں سنائی دیں ٹھہر جا، مردود! کاٹ کر بھاگتا ہے۔ کہاں تک جائے گا؟ تیری گردن نہ مروڑ دوں جب ہی سہی۔ لڑکو اسے جانے نہ دو۔ کتوں کا کاٹنا جرم ہے، ہاں جرم ہے" انسپکٹر ممتاز نے مڑ کر جو دیکھا تو اس کو ایک کتا نظر آیا۔ جو اس وقت ایک ٹانگ اٹھائے ہوئے، باقی تین ٹانگوں پر اچھلتا ہوا پاس کی لکڑی کی ٹال میں سے نکلا تھا۔ نتھیرا اس کا پیچھا کر رہا تھا

کتے کے بھونکنے کی آواز پھر سنائی دی۔ اور ساتھ ہی کسی نے کہا "چاندو مردود کو
ارد گرد کے دوکاندار گویا یک لخت نیند سے بیدار ہو گئے۔ ایسا
معلوم ہوتا تھا کہ تھوڑی سی دیر میں ایک انبوہ کثیر گویا زمین سے ابل پڑا
کانسٹیبل نے کہا "حضور معلوم ہوتا ہے۔ کوئی فساد ہو رہا ہے "

ممتاز خان مجمع کی طرف روانہ ہوئے۔ نذیر اپنا داہنا ہاتھ اوپر
اٹھائے ہوئے کھڑا تھا۔ اور اس کی انگلی سے خون جاری تھا۔ انتقام کی
خواہش اس کی ہر حرکت سے آرہی تھی۔ دریافت کرنے پر ممتاز خاں
کو معلوم ہوا۔ کہ یہ شخص نذیر سنار ہے۔ مجرم جس کا وہ تعاقب کر رہا تھا
ایک چھوٹا سا ٹیریر کتا تھا۔ جو زمین پر بیٹھا ہانپ رہا تھا۔ اس کے جسم
پہ لرزہ تھا۔ اور خوف و ہیبت اس کی ہر حرکت سے ٹپک رہی تھی۔

ممتاز خاں لوگوں کو ہٹاتا ہوا داخل ہوا۔ اور پوچھنے لگا "کیا
ماجرہ ہے۔ تم لوگ یہاں کیوں جمع ہو؟ اس قدر غل شور کیوں مچا رہے ہو؟
حضور میں لکڑیاں لئے ہوئے۔ خاموش ادھر سے گذر رہا تھا" نذیر نے
کھانستے ہوئے کہنا شروع کیا" اتنے میں اس کتے نے بے چھیڑے میری انگلی
پر دانت مارے ہیں مزدور آدمی ہوں۔ ایک ہفتہ تک اس انگلی کی
وجہ سے کام کرنا مشکل ہے۔ میں تاوان کا دعوا کروں گا۔ کتوں کا کاٹنا
حضور جانتے ہیں جرم ہے۔ کتوں کا کھلا چھوڑنا بھی خلاف قانون ہے۔
اگر ہر شخص اپنے کتوں کو اس طرح کھلا چھوڑنے لگے تو زندگی دوبھر

ہو جانے تو چلنا پھرنا ناممکن ہے۔

ممتاز نے سختی سے کہا:" اچھا یہ بتاؤ یہ کتا کس کا ہے۔ میں اُسے کبھی نہیں چھوڑوں گا۔ ان قانون شکن شرفا کی میں خوب خبر لوں گا۔ کتوں کو یوں چھوڑ دینا کیا معنی رکھتا ہے۔ ابھی ان کو معلوم ہو جائیگا نتھو رام کانسٹبل کی طرف مخاطب ہوکر "نتھو یہ کتا کس کا ہے؟ فوراً پتہ چلاؤ۔ اور رپوٹ لکھو۔ اس کو گولی مار دی جائے گی۔ تم میں سے کسی کو معلوم ہے یہ کتا کس کا ہے؟ مجمع میں سے کوئی شخص بولا" میرے خیال میں یہ کتا فاکس کلکٹر ضلع کا ہے۔ کلکٹر صاحب کا۔"

اچھا نتھو رام ذرا میرا کوٹ تو اُتارنا۔ کس قدر شدت کی گرمی ہے شاید پانی برسے گا۔۔۔ میری سمجھ میں ایک بات اب تک نہ آئی۔ اس نے تمہیں کاٹا کس طرح (اب ممتاز خاں کا خطاب نذیر سنار کی طرف تھا) اتنا چھوٹا سا کتا اور تمہارا قد اتنا لمبا۔ یہ انگلی تک پہنچا کیونکر؟ تم صریحاً جھوٹ بول رہے ہو۔ انگلی میں کسی اور طرح چوٹ لگ گئی ہو گی۔ تاوان کا خیال دماغ میں خوب سمایا۔ میں تم لوگوں کی چالوں کو خوب سمجھتا ہوں۔"

حضور یہ شخص جھوٹا ہے۔ مفتری ہے۔ کتے کو اس نے بلاوجہ چھیڑا۔ آخر جانور ہی تو ہے۔ اس کے ہاتھ پر جھپٹا اور انگلی کاٹ لی۔ یہ گویا تم نے دیکھا ہی تو ہے۔ کیوں خوامخواہ گناہ اپنے سر لیتے ہوئے

جھوٹا یا تم۔ ابھی فیصلہ ہوا جاتا ہے۔ انصاف اندھا نہیں ہے "

بس بس بحث مت کرو "

اب کانسٹبل سے بھی نہ رہا گیا۔ اس نے بھی اپنی رائے دی "

گستاخی معاف انسپکٹر صاحب، یہ ناممکن ہے۔ صاحب بہادر ایسے معمولی کتے نہیں پالتے۔ ان کے ہاں ایک سے ایک اعلیٰ قسم کا کتا موجود ہے"

"کیا تمہیں ٹھیک معلوم ہے کہ یہ کتا کلکٹر صاحب کا نہیں ہے" انسپکٹر نے پوچھا۔ "جی ہاں حضور"

"ہاں مجھے بھی یقین ہے کہ یہ کتا ان کا نہیں ہوسکتا۔ ان کے ہاں سوائے شکاری کتوں اور ڈیل ڈاگ کے اور کسی قسم کا کتا ہی نہیں۔ یہ کہیں کا معمولی بازاری کتا معلوم ہوتا ہے۔ یہ ہرگز ان کا نہیں ہے۔ ایسے کتے وہ بھلا کیوں پالنے لگے۔ نذیر اس نے تمہیں کاٹا ہے۔ اس کے مالک کے خلاف مقدمہ دائر کیا جائے گا۔ تم تاوان کے مستحق ہو۔ یہ معاملہ یوں ہی نہیں چھوڑا جائے گا۔

"مگر سنئے تو حضور، ممکن ہے یہ کتا انہیں کا ہو۔ کچھ عرصہ ہوا میں نے ایسا ہی ایک کتا ان کے ہاں دیکھا تھا"

مجمع میں سے ایک شخص نے چلا کر کہا۔ یہ کتا کلکٹر صاحب ہی کا ہے" "میرا کوٹ کہاں ہے۔ تھو رام مجھے کوٹ تو پہناؤ۔ سرد ہوا چلنے لگی۔ محض زکام کی شکایت ہے۔ تم اس کتے کو کلکٹر صاحب بہادر

کی خدمت میں لے جاؤ۔ اور یہ کہنا کہ مجھے یہ سڑک پر مارا مارا پھرتا ملا۔ یہ بھی عرض کرنا کہ ملازموں کو کتوں کی ذرا زیادہ خبر گیری کرنے کا حکم دیں ہر شخص کتوں کو چھیڑنے کی جرأت کرنے لگا ہے۔ چلے جاؤ تم بدمعاش کہیں کا لوگوں کو دھوکہ دینے کے گُر خوب سیکھے ہیں۔ قصور اپنا اور الزام دھرے ہو لکنتے بے چارے پہ۔ تمہاری ایک نہیں سنی جائے گی۔

اتنے میں دوسری طرف سے کلکٹر صاحب کا خانساماں آتا ہوا نظر پڑا۔

"میاں نور خاں یہ تو بتاؤ یہ کتا تمہارا ہی ہے نا؟"

جی نہیں ہمارے ہاں ایسا کتا کبھی نہیں تھا"

انسپکٹر صاحب اس کی بات کاٹ کر اور چیں بجبیں ہو کر فضول وقت کیوں ضائع کرتے ہو؟ کہدیا یہ بازاری کتا ہے۔ بے معنی بحث مباحثے سے کیا نتیجہ؟ اس کتے کو گولی مار دی جائے گی۔ بس جھگڑا ختم"

اتنے میں نور خاں بولا "کتا ہمارا تو نہیں مگر کلکٹر صاحب کے بھائی چھٹی پر آئے ہوئے ہیں ان کا ہے"

واقعی؟ کب آئے؟ میری تو ان سے ملاقات ہے۔ میں ان سے ضرور ملوں گا۔ اچھا تو یہ کتا ان کا ہے۔ تم لے جاؤ کیا پیارا جانور ہے۔ لوگوں کو بیٹھے بٹھائے سوجھتی خوب ہی۔ کتے نے کاٹ لیا۔ یہ کاٹ ہی نہیں سکتا۔ جھوٹ بولتا ہے تو وہاں کی ایک ہی نہیں۔ اب تم وہاں لے جاؤ ورنہ اگر پہنچ کر پکڑا جائے گا یہ کہکر انسپکٹر صاحب نے کوٹ سنبھالا اور اپنی راہ لی۔ (بشیر جیون)

باخبر بادشاہ

ایک مسافر سرائے میں آتا ہے۔ اور سرائے کا محرّر اُس
سے اس طرح ہمکلام ہوتا ہے۔

محرّر۔ میاں مسافر آپ کا نام؟ مسافر۔ شیر دل۔
محرّر۔ آپ کہاں سے تشریف لاتے ہیں؟ مسافر۔ قصبۂ شیر پور سے۔
محرّر۔ آپ کے والد بزرگوار کا نام؟ مسافر۔ شیر جنگ۔
محرّر۔ آپ کا پیشہ؟ مسافر۔ آپ کے سوالوں نے میرا دماغ پریشان کر دیا۔ اگر میں ایسا جانتا تو کسی اور سرائے میں اترتا۔ بہت خوب! لکھئے میرا پیشہ نوکری اور نوکری نہیں تو سوداگری۔ اور سوداگری نہیں تو دستکاری۔ اور دستکاری نہیں تو بیکاری تو پھر؟
محرّر۔ صاحب میں اس گپت کے لکھنے سے باز آیا۔ لیجئے پیشے کے خانہ میں صفر دیئے دیتا ہوں۔ مسافر۔ تسلیم! اور اور خانوں میں بھی صفر دیدیجئے تو بندہ آپ کا از حد شکر گزار ہوگا۔

(مسافر ایک روپیہ محرّر کے ہاتھ میں چپکے سے دیدیتا ہے)

محرّر۔ بہت خوب! دیگر خانوں میں بھی صفر دئے دیتا ہوں
مسافر۔ بس اب تو کوئی بات باقی نہیں؟
محرّر۔ نہیں صاحب اب کوئی بات باقی نہیں۔

مسافر سرائے کے اندر داخل ہوتا ہے۔ اور چار بھٹیارے اس کے گرد آکر جمع ہو جاتے ہیں۔

پہلا بھٹیارا۔ ادھر تشریف لائیے جناب! میرے یہاں آپ کو ہر طرح آرام ملے گا۔ دوسرا بھٹیارا۔ حضرت اگر کھانے کا شوق ہو تو بندہ کے یہاں قدم رنجہ فرمائیے۔ اس سرائے بھر میں میرے یہاں سے بڑھ کر کسی کے یہاں کھانا نہیں پکتا۔ بڑے بڑے امیروں کو مجھ غریب کے یہاں کا کھانا پسند آیا ہے۔ تیسرا بھٹیارہ۔ حضور بندے کے یہاں دونوں طرح کی آسائشیں میسر ہیں۔ کھانا بھی ایسا پاکیزہ کہ شاید بڑے بڑے نوابوں کے یہاں بھی نہ پکتا ہو۔ اور مکان ایسا پر تکلف کہ دیدہ نہ شنیدہ۔ چوتھا بھٹیارہ۔ حضور میری عادت مسافر کو بہکانے کی نہیں جو دال دلیا میسر آئے گا حضور کے سامنے رکھ دوں گا۔ مکان میرا ہر چند پر تکلف تو نہیں مگر اس میں کوئی چیز باعث تکلیف بھی نہیں۔ میری خدمت گذاری ایک دفعہ غریب خانے پر قدم رنجہ فرمانے سے آپ پر روشن ہو جائے گی۔ اگر پسند آئے تو صلہ دیجیے گا ورنہ میری قسمت۔ (مسافر کو چوتھے بھٹیارے کی گفتگو بہت پسند آئی اور اس کے ساتھ ہو لیا) مسافر۔ (مکان دیکھکر) تم تو کہتے تھے کہ میرا مکان پر تکلف نہیں۔ سرائے میں اس سے بڑھ کر اور کیا آرام کی چیز ہو سکتی ہیں۔ معمولی کرسیاں، میز، پلنگ، الماریاں، قالین، گھڑیاں، پردے، چلمنیں، پھولدان وغیرہ یہ کل جتنی چیزوں پر میری نگاہ پڑتی ہے۔

سب کی سب نہایت عمدہ اور اعلیٰ قسم کی معلوم ہوتی ہیں ۔
بھٹیارا ۔ سب آپ ہی لوگوں کی جوتیوں کا طفیل ہے ورنہ میں اس لائق کہاں ۔ مسافر ۔ میاں بھٹیارے اس وقت کے بجے ہونگے ۔
بھٹیارا ۔ حضور ! ۱۱ بجنے میں ۲۵ منٹ باقی ہیں ۔
مسافر ۔ اوہو ! اتنی رات گذر گئی اچھا کھانا لاؤ ۔
بھٹیارا ۔ بہت مبارک ۔ (بھٹیارہ کشتی میں کھانا لگا کر لاتا ہے)
مسافر ۔ میاں بھٹیارے ایک اکیلے آدمی کیواسطے اتنے کھانے کی کیا ضرورت تھی
بھٹیارہ ۔ جتنا طبع مبارک میں آئے ۔ تناول فرمائیں جو بچ رہے گا غریب غرباء کے کام آئے گا ۔ مسافر ۔ میاں بھٹیارے ! اگرچہ تمہارا کھانا سادہ ہے مگر نہایت لذیذ اور خوش ذائقہ ہے ۔
بھٹیارا ۔ حضور ! علم طب کی رو سے پر تکلف کھانے انسان کے جسم کو فائدہ بخش نہیں ہوتے ۔ یہی وجہ ہے کہ میں اپنے مسافروں کو ثقیل غذاؤں کے کھلانے سے پرہیز رکھتا ہوں ۔
مسافر ۔ میاں بھٹیارے معلوم ہوتا ہے کہ تم علوم مروجہ سے بھی واقفیت رکھتے ہو
بھٹیارہ ۔ حضور ! بہت کم مگر ہاں جو وقت فرصت کا ملتا ہے ۔ میں اسے بیکار نہیں کھوتا ۔ بلکہ کتب بینی میں صرف کرتا ہوں ۔
(مسافر ابھی فارغ ہوا تھا کہ سرائے کے ایک گوشہ سے کچھ لوگوں کے چلانے چیخنے کی آواز آئی)
مسافر ۔ میاں بھٹیارے دیکھنا تو سہی یہ چیخ پکار کیسی ہے ؟

بھٹیارا۔ بہت خوب بندہ پوری حقیقت دریافت کر کے ابھی واپس آتا ہے

(بھٹیارہ جاتا ہے اور تھوڑی دیر کے بعد واپس آتا ہے)

بھٹیارا۔ حضور! عجیب تماشا ہے۔ آج تین چار دن ہوئے۔ کہ اس شہر میں ایک رئیس کے یہاں چوری ہو گئی تھی۔ جن لوگوں نے چوری کی اُن کا تو پتہ نہیں۔ ایک غریب سوداگر جو اس سرائے میں پانچ چھ مہینے سے رہتا ہے۔ شہر کے کوتوال نے اس بنا پر گرفتار کیا ہے کہ ہمکو تجھ پہ شبہ ہے۔

مسافر۔ کیا مضائقہ ہے۔ وہ اپنی تلاشی دیدے۔

بھٹیارا۔ حضور ایک لطف اور ہے۔ رئیس نے جن چیزوں کی فہرست داخل کی ہے وہ سب اس سوداگر کے پاس موجود ہیں۔

مسافر۔ پھر تو ظاہر ہے۔ کہ یا اس نے خود چوری کی یا یہ چیزیں چوروں سے خریدیں۔ بھٹیارا۔ دونوں میں سے ایک بات بھی نہیں ہے۔ مسافر۔ وجہ؟ بھٹیارا۔ حضور کوتوال اور رئیس آپس میں ملے ہوئے ہیں۔ اور فہرست مال مسروقہ میں وہی چیزیں لکھائی ہیں۔ جو سوداگر کے یہاں موجود ہیں۔

مسافر۔ تو کیا در حقیقت چوری نہیں ہوئی۔ اور محض سوداگر کو پھنسانے کے لئے یہ تدبیر نکالی گئی ہے۔ بھٹیارا۔ اس میں شک ہی کیا ہے۔

مسافر۔ اچھا میں خود موقع پہ جاتا ہوں تم ذرا یہیں ٹھہرو۔

(مسافر حال معلوم کرنے کے لئے خود موقع پر پہنچتا ہے)

مسافر۔ اسلام علیکم۔ کوتوال۔ وعلیکم السلام۔ جناب کی تعریف؟

مسافر۔ جناب عالی! اس خاکسار کو شیر دل کہتے ہیں۔

کوتوال۔ آپ کا وطن مالوف؟ مسافر۔ قصبۂ شیر پور۔

کوتوال۔ آپ کو اس چوری کا کچھ حال معلوم ہے۔

مسافر۔ جناب! سنا ہے کہ اس سوداگر نے کسی رئیس کا مال چرایا ہے

کوتوال۔ اجی سننے کے کیا معنی۔ کہئے ہم کو معلوم ہے۔

(کوتوال سارجنٹ سے مخاطب ہوتا ہے)

کوتوال۔ سارجنٹ! لکھو شیر دل خاں کا نام گواہوں میں۔ یہ بڑے معتبر آدمی ہیں۔ مسافر۔ جناب! میں نے کچھ اپنی آنکھ سے چوری کرتے تو دیکھا نہیں جو میرا نام گواہوں میں لکھا جاتا ہے۔

کوتوال۔ کچھ مضائقہ نہیں آپ جیسے لوگوں کا سننا ہی آنکھ کے دیکھنے کے برابر ہے۔ حاکم کے روبرو کہہ دیجئیگا ہمنے اپنی آنکھ سے نقب لگاتے دیکھا ہے۔

مسافر۔ نہیں صاحب بندہ کو معاف فرمایئے میں ہرگز جھوٹ نہ بولونگا۔

کوتوال۔ حضرت عدالتوں میں جھوٹ بولے بغیر کام نہیں چلتا۔

مسافر۔ ایسی عدالتیں آپ ہی کو مبارک ہوں۔ مجھے ایسی جگہ جاکر اپنا ایمان خراب کرنے کی کیا ضرورت ہے؟

کوتوال۔ تو پھر آپ کا نام بھی سازشیوں میں درج ہوگا۔

مسافر۔ کیا خوب اچھا صاحب میں اس شرط پر آپ کا گواہ بنا

منظور کرتا ہوں کہ آپ علیحدہ ہو کر مقدمہ کی اصل حقیقت مجھ سے بیان کر دیں

کوتوال - بہت مبارک آپ کے میں مقدمہ کا کیا حال آپ کی عرض کئے دیتا ہوں

(کوتوال علیحدہ ہو کر مسافر سے مقدمہ کی اصل حقیقت جو بھٹیارے نے مسافر سے کہی تھی بیان کرتا ہے اور مقدمہ رو براہ ہونے پر مسافر کو حقہ رسدی میں شریک بنانے کا وعدہ کرتا ہے۔

مسافر - بہت خوب اگر یہی بات ہے تو بندہ کا نام سب سے پہلے گواہوں میں لکھیے۔ مجھے آجکل روپے کی ضرورت بھی بہت تھی۔ لیجیے بندہ آداب بجالاتا ہے۔ کل صبح فرصت ملی تو کسی وقت حاضر خدمت ہوگا اور جو کچھ جناب ارشاد فرمائینگے ہو بہو حاکم کے روبرو چلکر بیان کر دیگا

کوتوال - ذرا ٹھہرئے اپنا نام ولدیت سکونت پیشہ وغیرہ سارجنٹ کو لکھواتے چلئے

سارجنٹ - کیوں احباب نام تو آپ کا شیر دل خاں لکھوں؟ اور آپ کے والد بزرگوار کا اسم مبارک؟ مسافر - شیر جنگ۔

سارجنٹ - نواب شیر جنگ خاں صاحب؟

مسافر - قلم آپ کے ہاتھ میں ہے۔ جو چاہے لکھ لیجیے۔

سارجنٹ - سکونت - مسافر - قصبہ شیر پور۔

سارجنٹ - پیشہ - مسافر - کچھ نہیں - سارجنٹ - رئیس شیر پور

مسافر - سارجنٹ صاحب آپ کا اسم شریف؟

سارجنٹ - اس عاجز کو دولت رام کہتے ہیں۔

مسافر۔ کوتوال صاحب کا نام۔ سارجنٹ۔ دولت خاں۔
مسافر۔ آپکو تکلیف تو ہوئی۔ رئیس کا نام بھی ارشاد فرمائیے۔
سارجنٹ۔ دولت بخش۔ مسافر۔ خوب معلوم ہوتا ہے دولت تو آپ ہی صاحبوں کے حصہ میں آئی ہے۔
سارجنٹ۔ اجی ! ہاتھ میں آئے تو جانیں۔ ابھی تو باقی جمع خرچ ہے۔
(مسافر کوتوال سے رخصت ہوکر اپنی قیام گاہ پر آتا ہے۔ اور بعد معمولی گفتگو کے بھٹیارا)
مسافر۔ میاں بھٹیارے تمہارا نام کیا ہے ؟
بھٹیارا۔ حضور فدوی کو شاہ پسند کہتے ہیں۔ یہ وہی مثل ہے کہ۔ برعکس نہند نام زنگی کافور۔
مسافر۔ خدا سے کچھ دور نہیں کہ تمہیں اسم با مسمّٰی بنا دے۔ ہاں میاں بھٹیارے یہ محرر جو سرائے کے دروازہ پر بیٹھا ہے اسکا کیا نام ہے۔
بھٹیارا۔ حضور اس کا نام حشمت مند ہے۔ واقعی اسم با مسمّٰی ہے صبح سے شام تک پانچ سات روپیہ مسافروں سے جھاڑ لیتا ہے حضور سے بھی شاید کچھ پا گیا ہوگا۔
مسافر۔ اچھا شاہ پسند اب جاؤ آرام کرو ہم کو علی الصباح منہ اندھیرے جگا دینا۔ ہماری عادت اس وقت سیر کو جانے کی ہے۔
(بھٹیارا رخصت ہوتا ہے اور علی الصباح مسافر کو آکر جگاتا ہے)
مسافر۔ شاہ پسند ! تم نے بہت ٹھیک وقت پر آکر ہم کو جگایا۔

تمہاری خدمات کا پورا صلہ ہم اس وقت نہیں دے سکتے۔ مگر خیر لیجئے

یہ پانچ روپے تو تمہاری نذر ہیں۔

بھٹیارا - خدا حضور کو سلامت رکھے۔ مجھے تو اپنی ساری عمر میں کبھی یاد نہیں آتا۔ کہ کسی مسافر نے ایک رات کے پانچ روپے تو کیا دو روپے بھی دیئے ہوں۔ (مسافر سرائے سے رخصت ہوتے ہے)

بادشاہ - چوبدار! دولت خاں کوتوال۔ دولت رام ساہوکار، دولت بخش رئیس۔ حشمت منہ مختار۔ دروازہ سرائے شاہ پسند، بھٹیارے کو جلد ہمارے روبرو حاضر کرو۔ (چوبدار فوراً تعمیل کرتا ہے۔ اور تھوڑی دیر میں ان سب کو بادشاہ کی خدمت میں حاضر کرتا ہے)

چوبدار - جہاں پناہ جن لوگوں کو حضور نے یاد فرمایا تھا سب حاضر ہیں۔

بادشاہ - تم میں سے کوئی شخص شیر دل کو پہچانتا ہے (شیر دل کا نام سنتے ہی بھٹیارے کے سوا سب کانپ اٹھے۔ اور قریب تھا کہ زمین پر گر پڑیں)

بھٹیارا - جہاں پناہ اگر جان کی اماں پاؤں تو کچھ عرض کروں؟

بادشاہ - بے شک۔

بھٹیارا - جہاں پناہ! - چہرہ صورت تو میں پہچان نہیں سکتا۔ مگر جہاں تک میرے کان مجھے یاری دے سکتے ہیں میں کہہ سکتا ہوں کہ حضور کی آواز۔ لب و لہجہ اور قد و قامت وہی ہے جو شیر دل مسافر کا تھا۔

(شاہ پسند کی تقریر سنتے ہی کل ملازمان شاہی ہاتھ جوڑ کر عفو تقصیر کے طالب ہوتے ہیں)

بادشاہ- مجھے افسوس ہے کہ تمہارا قصور اس قسم کے نہیں کہ میں تم کو سزا دیئے بغیر چھوڑ دوں- دنیا میں اس سے بڑھکر کوئی گناہ نہیں کہ ایک شخص دوسرے شخص کو بلاوجہ ایذا اور تکلیف دے- اور اپنے آپ کو- ناجائز طور پر فائدہ پہنچانے کے لئے دوسرے کا نقصان کرے- پس میں حکم دیتا ہوں کہ دولت بخش رئیس کا کل مال و متاع ضبط کر کے فقرا و مساکین کو تقسیم کیا جائے- دولت خاں دولت رام حشمت مند ملازمت شاہی سے برطرف کئے جائیں- اور شاہ پسند کو اس کی راستبازی اور- ایمانداری کے صلے میں شاہی باورچی خانے کا داروغہ مقرر کیا جاوے-

فقیر کا کرشمہ

کسی زمانے کا ذکر ہے کہ میلہ ہردوار کے موقعہ پر ایک مسلمان فقیر نے ایک بنیئے سے جو سدابرت بانٹتا تھا اپنی تونبی آگے کر کے کہا کہ اس میں بھیک ڈال دے-

" مالک دوکان نے کہا کہ منہ تک بھر دوں-

" فقیر نے کہا کہ بچہ کبھی اس کو بھر نہ سکے گا-

" مالک نے کہا کہ یا دیکھا جائیگا- فقیر نے تونبی تھامی اور بنیا اس میں آٹا بھرنے لگا- لیکن ادھر ڈال اور غائب تونبی خالی تھی- زیادہ تر حیرت کی بات تھی- کہ بنیئے کی ٹوکری جسمیں آٹا تھا- وہ بھی خالی نہ ہوتی تھی-

مالک دکان مشہور تھا کہ وہ بہت پہونچا ہوا ہے۔ وہ دلچسپی سے اس کو دیکھا
کیا فقیر نے ذرا پیچھے ہٹ کر کھڑے ہو بیٹھے سے کہا کہ اجنبوں سے پھر کر ڈال
اس کا بھی یہی نتیجہ ہوا۔ کہ تونبی بھری نہیں اور ٹوکری کا آنا خالی ہوا نہیں
اس وقت تک لوگوں کا ہجوم ہو گیا تھا۔ حیرت تھی کہ فقیر کی تونبی
نہیں بھرتی ہے۔ بجلی کی طرح یہ خبر مشہور ہو گئی۔ اور دیہاتیوں کا
غول جمع ہوا۔ آخرکار مالک دکان نے کہا۔
"بابا جی تم ذرا ادھر آجاؤ میں تم سے کچھ کہوں گا۔"
فقیر نے کہا کہ بچہ تو تو پہونچا ہوا ہے۔ مگر تو سب کچھ نہیں جانتا ہے یہ
کہکر خیرات خانے کے جھونپڑے میں گیا۔
فیاض شخص نے کہا کہ تمہارا گرو یہاں حوالی میں ہے؟
"فقیر نے کہا ہاں ہے تو بچہ پھر کیا ہے۔"
"صرف میں ان سے ملنا چاہتا ہوں کیونکہ جب تم اس کے چیلے کہلاتے
ہو تو وہ بڑے بڑے کام کر سکتا ہوگا۔
"بچہ میں وعدہ نہیں کرتا مگر میں گرو سے منت کروں گا۔ کہ وہ تیری
اچھا پوری کرے یہ کہکر رخصت ہوا۔ فقیر اس کے بعد مجمع میں غائب
ہو گیا۔ گویا ان سب کے خیال میں یہ خدا تھا۔ سب اس کو دیکھتے اور
آپس میں رام رام کہتے تھے۔
مغرب کے وقت شام کو فقیر پھر آیا۔ اور مخیر شخص سے کہا کہ گرو نے

تم سے اس طرح ملاقات کرنے پر رضامندی کی ہے کہ اگر تم مشترک
دھارا سے جو ہردوار سے ہی کچھ پہونچو گے تو گرو تم سے بیچ دھار میں آکر ملاقات
کرے گا۔ فیاض شخص نے کہا کہ دریا گہرا ہے میں ڈوب جاؤں گا۔
بچہ خوف نہ کر گرو نے ایسا ہی کہا ہے۔ دنیا کے خداوند پر بھروسہ کر لے۔
سب خیریت ہوگی وہ پہر کو آنا یہ کہکر واپس گیا۔ اور بگولوں میں غائب ہوا
اس عجیب کارروائی کی خبر مشہور ہوئی۔ ہزارہا جاتری کنارہ پر جمع ہوئے۔
جہاں یہ فیاض شخص اندر اترا۔ وقت مقررہ پر یہ شخص فقیری لباس
کرکے آہنی دست پناہ لیکر بطور بیراگی کے وہاں گیا۔ یہاں لوگوں میں بہت
ہی جوش پھیلا ہوا تھا۔ مجمع سے کچھ نہ کہا یہ دریا میں اترا۔ خیریت ہوئی کہ پانی
کمر تک تھا۔ بائیں ہاتھ میں دست پناہ اور چھوٹی گٹھری چیز داہنے ہاتھ میں تھی۔
جب دریا میں اترا دیکھا کہ عجیب شکل کا ایک شخص سامنے سے آتا ہے پانی میں
اترا ہے۔ چہرہ بالکل سیاہ مہیب صورت ایک کان بہت بڑا ایک چھوٹا لمبے
لمبے چوٹے تھے اور برہنہ صرف ایک چھوٹا لنگوٹی کا تھا۔ وہ بھی میلا تھا۔ لاغر اندام
گویا مدتوں سے فاقہ کر رہا ہے۔ آنکھوں کے ڈورے سرخ تھے اور ہاتھ پاؤں کے
ناخن لمبے لمبے تھے۔ بالکل وحشی حالت تھی یہ اس فیاض سے بیچ دریا میں ملا اور کہا کیا
مانگتا ہے۔ "گروجی میں نے تمہاری شہرت سنی اور میں نے چاہا کہ تمکو سلام کر دوں
یہ تم قبول کر دینا نتیجہ میری عمر بھر کی محنت کا ہے۔ بطور علامت اسکے میں تمہاری عقلمندی
کو جانتا ہوں۔ یہ کہکر اپنے ہاتھ سے چمکتی ہوئی چیز پیش کی گرو نے کہا کہ اس

ناچیز کو دور کرو یہ کہکر چمکتی ہوئی چیز نے کر دریا میں پھینک دی

تم نے کیا کیا غضب کر دیا - فیاض نے غصہ سے نہیں افسوس سے کہا) تم نہیں جانتے کہ تم نے پارس پتھر دریا میں پھینک دیا - اس کو میں نے برسوں کی محنت اور مصیبت سے حاصل کیا تھا -

بچہ رنج دور کر رنج نہ کر میرا اوپنا ہاتھ پارس پتھر ہے - یہ کہکر پانی میں ہاتھ ڈالا مٹھی بھر کر نکالا - تو وہ ریت سب سونا تھا - کیا تم اب بھی رنج کرتے ہو - یہ کہکر دیکھا کہ اس شخص کے چہرہ پر رنج تھا - کیا تم کو اب شک ہے - کہ میرا اپنا ہاتھ پارس پتھر نہیں ہے - لا میں تیرا دست پناہ چھوؤں یہ کہکر دست پناہ چھوا کہ وہ فوراً سونا ہو گیا -

تجھے اب شک ہے - چونکہ تو نے شک کیا تو اپنی راہ جا یہ کہکر رخصت ہوا - اور کنارہ کو گیا - بنیا یہاں سونے کا دست پناہ ہاتھ میں لئے ہوئے پہلے تیرا کیا کچھ دیر بعد یہ بھی کنارے پر آیا - اور ماجرا بیان کیا - تب لوگ دوسرے کنارے پر دوڑے - دیکھا کہ فقیر چھوٹی سی جھاڑی کے عقب میں گیا ہے - وہاں پہونچکر ڈھونڈھا تو پتہ نہ تھا - وہ غائب ہو گیا - چنانچہ اس فیاض کے پاس اب تک وہ دست پناہ سونے کا موجود ہے - سالانہ جب جاتری جمع ہوتے ہیں تو اس کو دیکھتے ہیں اب تو یہ بڈھا ہو گیا ہے لیکن اس مسلمان فقیر اور اس کے پیر کا آج تک پتہ نہیں کہ اصل میں کون تھے - کہاں گئے ؟

ہمّت کا پھل

عسجد بہت ہر دل عزیز شاہزادہ تھا نیک عقل مند اور ہنرمند تھا لیکن صرف اتنا عجیب تھا کہ اس کی طبیعت بہت ڈرپوک تھی بادشاہوں میں جیسی ہمّت اور بہادری ہونی چاہئے۔ وہ اس میں نہ تھی۔ شہزادے کا باپ مر چکا تھا۔ اور وہ تخت پر اس لئے نہ بیٹھ سکا تھا کہ نابالغ تھا۔ شہزادہ بڑی تمنّا اور خوشی کے ساتھ تخت نشینی کا منتظر تھا۔

جب شہزادہ جوان ہوا اور تخت نشینی کا وقت آیا تو دو چار دن پہلے بوڑھا وزیر شہزادے کے پاس آیا۔ اور اسے اپنے ساتھ شہر سے باہر ایک پہاڑ پر لے گیا۔ پہاڑ کی چوٹی پر ایک چھوٹا سا مکان بنا ہوا تھا۔ جب یہ دونوں وہاں پہنچے تو اس مکان میں سے ایک حبشی غلام نکلا۔ اور بہت ادب سے سلام کیا حبشی ان دونوں کو ایک اور مقام پر لے گیا جہاں پہاڑ میں ایک بہت بڑا غار بنا ہوا تھا غار کے منہ پر پیتل کا دروازہ لگا ہوا تھا۔ حبشی نے کنجی نکال کر دروازہ کھولا شہزادہ دروازہ کے قریب گیا اور اندر جھانک کر دیکھا کہ ایک نہایت خوفناک شیر اس کے اندر بیٹھا ہے۔ شہزادے کو بہت تعجب ہوا۔ اور

اور حیرت سے وزیر کی طرف دیکھا۔
وزیر نے کہا آپ کی تخت نشینی کے دن قریب ہیں اس ملک میں
سیکڑوں برس سے یہ رسم چلی آتی ہے کہ ہر بادشاہ تخت نشینی سے
پہلے ایک خنجر لے کر اس غار میں جاتا ہے۔ اور شیر سے لڑتا ہے۔ اس
سے بادشاہ کی جرأت اور بہادری کا حال معلوم ہو جاتا ہے۔ اور
لوگ سمجھ لیتے ہیں کہ یہ بادشاہ بیشک ملک پر حکومت کرنے کے
قابل ہے۔ آپ کے باپ دادا نے بھی یہ رسم ادا کی تھی۔ اب آپ
کی باری ہے۔ آپ بھی غار میں کودیئے اور اپنی ہمت اور مردانگی کا
ثبوت دیجئے۔

یہ سن کر شہزادے کا منہ فق ہو گیا۔ اور کانپنے لگا۔ اور وزیر سے
کہا کہ "کیا اس رسم سے بچنے کی کوئی ترکیب نہیں؟" وزیر نے عرض کیا کہ
"ایسی کوئی صورت نہیں" پھر شہزادے نے کہا کہ "کیا ایسا نہیں ہو سکتا
کہ میں اس معاملے پر غور کروں۔ اور اپنے آپ کو اس امتحان کے لئے
تیار کر لوں؟" وزیر نے جواب دیا کہ "بیشک ایسا ہو سکتا ہے۔ آپ
سوچ لیجئے۔"

اس کے بعد شہزادہ محل کو لوٹ گیا۔ لیکن اب اس کے
ہوش وحواس ٹھکانے نہ تھے تخت نشینی اور بادشاہت کی ساری
خوشی ملیامیٹ ہو گئی۔ اور موت آنکھوں کے سامنے پھرنے لگی۔

بہت سوچا لیکن اپنے دل میں شیر سے مقابلہ کرنے کی جرات نہ پائی
تمام رات بے چینی میں کاٹی - آخر تڑکا ہوتے ہی اٹھا - کپڑے بدلے
اور اصطبل سے ایک نہایت تیز اور مضبوط گھوڑا لیا - اور سوار ہوکر
چپکے ہی سے اپنے ملک اور بادشاہت کو چھوڑ کر جدھر منھ اُٹھا چل دیا -
شہزادہ تین دن بھوکا پیاسا سفر کرتا رہا - تیسرے دن آبادی
نظر آئی - آگے بڑھا تو بانسری کی سریلی آواز کان میں آئی - دیکھا کہ
ایک خوبصورت سرخ و سفید رنگ کا لڑکا بھیڑیں چرا رہا ہے - اور
بانسری بجاتا جاتا ہے - لڑکے نے شہزادے کو دیکھکر سلام کیا
شہزادے نے کہا "تم بانسری بجائے جاؤ - مجھے راگ سننے کا بے حد شوق
ہے - ایسا سریلا راگ تو میں نے کبھی سنا ہی نہیں " لڑکے نے پھر
بجانا شروع کر دیا - اور جب بجا چکا تو کہا کہ "میں ایک مالدار گڈریے
کا غلام ہوں - جس کا نام عمر ہے وہ آپ کو دیکھکر بہت خوش ہوگا - اور
خوب مہمانداری کرے گا"

شہزادہ اس لڑکے کو لے عمر کے پاس گیا - بوڑھا گڈریا بہت
مہربانی سے پیش آیا - اور بہت عمدہ کھانا کھلایا - کھانا کھانے کے بعد
شہزادے نے کہا کہ "آپ کو ایک اجنبی آدمی کے اس طرح آجانے سے
بڑا تعجب ہوا ہوگا - اور آپ میرے حالات معلوم کرنا چاہتے ہونگے
لیکن میں آپ کو صرف اتنا بتا سکتا ہوں - کہ میں شہزادہ ہوں کسی

مصیبت کی وجہ سے اپنے ملک سے نکل آیا ہوں اپنا نام نہ بتاؤں گا اگر آپ کو کچھ تکلیف نہ ہو تو میں اس خوشنما اور دلچسپ مقام پر رہنا چاہتا ہوں۔ آپ اطمینان رکھیے کہ میں آپ کی تکلیف کا بدلہ بہت اچھی طرح کر سکتا ہوں۔"

عمر نے بڑی محبت اور اخلاق سے جواب دیا کہ "آپ بدلہ دینے کا تو خیال بھی نہ کریں یہ آپ کا گھر ہے میں بہت خوش ہوں گا اگر آپ میری زندگی بھر یہیں رہیں۔"

پھر اس لڑکے کو حکم دیا کہ شہزادے کو یہاں کی کل قابل دید چیزیں دکھاؤ۔ اور باغوں اور پہاڑوں کے خوشنما منظروں کی سیر کراؤ۔

لڑکا شاہزادے کو ساتھ لے گیا۔ اور وادیوں اور چشموں اور آبشاروں کی سیر کرائی۔ اور پھر ایک پہاڑی پر بیٹھ کر گانے لگا شہزادے کو یہاں کے قدرتی سین بہت پسند آئے اور اپنے دل میں خدا کا شکر ادا کیا کہ ملک چھوٹا تو چھوٹا لیکن اس شہر کی مصیبت سے نجات مل گئی۔ اور خدا نے ایسی خوشنما اور دل فزا جگہ رہنے کے لئے عنایت کی۔ لیکن شہزادے کی قسمت میں اطمینان اور خوشی نہ تھی۔ تھوڑی دیر میں لڑکا بانسری بجاتے بجاتے ایکا ایکی اٹھ کھڑا ہوا۔ اور شہزادے سے کہا کہ "اب یہاں سے چلنا چاہیے۔"

شہزادے نے کہا "خیر تو ہے ابھی سے جانے کی کیا جلدی ہے؟"
لڑکے نے کہا "یہاں کے جنگل میں شیر رہتے ہیں وہ روزانہ شام ہوتے ہی نکل آتے ہیں۔ اور بہت نقصان پہونچاتے ہیں۔ ہم لوگ اس وقت سے پہلے گھروں میں چھپ جاتے ہیں۔ اور دروازے بند کر لیتے ہیں۔" یہ کہہ کر اس نے اپنی آستین چڑھائی اور ہاتھ دکھا کر کہا کہ "ایک دن میں اتفاق سے باہر رہ گیا تھا۔ دیکھئے شیر نے یہاں چھپٹا مارا ہے۔ زندگی تھی کہ بچ گیا۔ ورنہ مرنے میں کیا کسر رہ گئی تھی۔"

یہ سن کر شہزادے کا خون خشک ہو گیا۔ زبان سے کچھ نہ کہا۔ اُٹھ کر عمر کے مکان پر گیا اور گھوڑا منگا کر سوار ہوا۔ اور عمر اور اس کے غلام سے کہا میں یہاں رہنا چاہتا تھا۔ مگر میری تقدیر میں کچھ اور لکھا ہوا ہے۔ اب کسی اور جگہ جاتا ہوں۔ یہ کہا اور گھوڑا دوڑاتا ہوا چل دیا۔
شہزادہ آبادی سے نکلا تو سامنے بڑا لمبا چوڑا ریگستان نظر آیا۔ اسی میدان میں بے آب ودانہ تین دن تک چلتا رہا۔ تیسرے دن دور سے کچھ سیاہ خیمے نظر آئے۔ جن کو دیکھ کر وہ یہ سمجھ گیا کہ عربوں کی آبادی ہے اب ذرا جان میں جان آئی۔ آگے بڑھا تو دیکھا کہ چند عرب نہایت عمدہ گھوڑوں پر سوار نیزے چمکاتے آ رہے ہیں عربوں کے ہاں کسی اجنبی کے استقبال کرنے کا یہی طریقہ تھا۔

شہزادے کی صورت دیکھ کر سمجھ گئے کہ کوئی معزز آدمی ہے۔ اس کو اپنے حلقہ میں لے لیا۔ اور اپنے سردار کے خیمے کی طرف لے چلے جس کو وہ شیخ کہتے تھے۔

شیخ اپنے خیمہ کے پاس بیٹھا تھا۔ شہزادے کو دیکھ کر اٹھا۔ بہت تپاک سے ملا۔ اور پھر خیمے کے اندر لے گیا۔ اور کھانا کھلایا۔ کھانے کے بعد شہزادے نے شیخ سے اپنے وہی حالات بیان کئے جو عمر سے کہے تھے۔ اور اس سے بھی بہت سا مال اور دولت دینے کا وعدہ کیا

شیخ نے کہا کہ "آپ جیسے شریف اور معزز آدمی کا یہاں رہنا ہی بڑی نعمت اور دولت ہے۔ شوق سے یہاں رہئے" پھر شہزادے کو اپنے ساتھ لے جا کر نہایت خوبصورت اور قیمتی گھوڑا پیش کیا۔ شہزادے نے ایسا عمدہ گھوڑا کبھی نہ دیکھا تھا۔ سوار ہوا تو یہ معلوم ہوتا تھا کہ گھوڑا شہزادے کے ہر اشارے اور ہر ارادے سے واقف ہے۔ اور مزاج کو پہچانتا ہے

شیخ نے کہا کہ "آج ہرن کے شکار کا دن ہے چلئے آپ بھی ہمارے ساتھ کھیلئے" شہزادہ شکار سے بے انتہا خوش ہوا۔ اور اپنے دل سوچنے لگا کہ "یہ جنگل کے رہنے والے عرب کیسے خوش قسمت ہیں اور کیسی اطمینان کی زندگی بسر کرتے ہیں" ہمیشہ انھیں کے ساتھ رہونگا۔ تمام دن شکار ہوتا رہا۔ ایک درجن سے زیادہ ہرن شکار کئے اور شہزادہ بہت خوش خوش واپس آیا۔

ایک ہفتہ اسی طرح گذر گیا۔ ایک رات شہزادہ اپنے بستر پر بیٹھا ہوا۔ اس نئی زندگی پر اپنے آپ کو مبارکباد دے رہا تھا۔ اور خوش ہو رہا تھا کہ شیخ اس کے پاس آیا۔ اور کہا کہ "میں یہ بات کہنے کے لئے آیا ہوں کہ میرے قبیلے کے لوگ آپ سے بہت خوش ہیں۔ خصوصاً آپ نے ہرن کے شکار میں جو دلچسپی ظاہر کی اور جیسی عمدگی اور پھرتی کے ساتھ شکار کھیلا۔ اس سے سب لوگ بہت خوش ہوئے لیکن ہمارا کام صرف ہرن کا شکار کھیلنا نہیں ہے۔ بلکہ ہمیں اکثر دوسرے قبیلوں سے لڑنا بھی پڑتا ہے۔ لڑائی کے لئے بڑی ہمت اور بہادری کی ضرورت ہے۔ میرے قبیلے والے سب کے سب مانے ہوئے بہادر ہیں۔ اس لئے وہ چاہتے ہیں۔ کہ آپ بھی اپنی بہادری کا کوئی ثبوت دیں۔ یہاں سے تھوڑے فاصلے پر پہاڑوں کا سلسلہ ہے۔ وہاں شیر رہتے ہیں۔ آپ صبح اٹھ کر گھوڑے پر سوار ہو کر اور تلوار اور نیزہ لے کر جائیے۔ اور ایک شیر کو مار کر اس کی کھال اتار کر لے آئیے۔ اس طرح ہمیں آپ کی بہادری کا اطمینان ہو جائے گا۔ اور ہم لڑائی کے موقع پر آپ پر بھروسہ کر سکیں گے"
شیخ تو یہ کہہ کر چلا گیا۔ لیکن شہزادے کے ہوش جاتے رہے اور سوچنے لگا "افسوس یہاں بھی شیروں کا سامنا ہے۔ جہاں جاتا ہوں شیر ہی ملتے ہیں۔ سوچا تھا یہاں آرام سے رہ سکوں گا۔

لیکن آرام میری قسمت ہی میں نہیں" یہ سوچکر اٹھا چپکے سے خیمے سے
باہر نکلا۔ اوّل شیخ کے گھوڑے کے پاس گیا۔ اس گھوڑے سے اسے
بہت محبت ہو گئی تھی۔ اس کو پیار کیا۔ اور پھر اپنے گھوڑے پر سوار
ہو کر چل دیا۔

شہزادہ تمام رات چلتا رہا۔ تمام دن چلتا رہا شام کے قریب کچھ
جھاڑیاں اور چشمے نظر آئے۔ کچھ آگے بڑھ کر ایک محل خوبصورت
دکھائی دیا۔ یہ محل ایک بڑے اور خوشنما باغ کے بیچ میں بنا ہوا
تھا۔ خوبصورتی پھولوں اور پھلوں کی خوشبو نے اس کے دل کو فرحت
بخشی اور وہ باغ کے اندر داخل ہو گیا۔

باغ کا مالک جو بہت بڑا امیر تھا۔ اپنے محل کے برآمدے میں بیٹھا ہوا
تھا۔ اور اس کی نوجوان لڑکی جس کا نام پری زاد تھا۔ اس کے پاس
بیٹھی تھی۔ امیر ایک اجنبی کو دیکھ کر جو صورت شکل سے معزز معلوم
ہوتا تھا۔ اٹھا اور چند قدم آگے بڑھ کر شہزادے سے ملا۔ بہت ہی
اخلاق سے لیا۔ وہ محل کے اندر لے گیا۔ شہزادے نے محل کے اندر
قدم رکھا تو آنکھیں کھل گئیں۔ بڑے بڑے سنگ مرمر کے کمرے سنہری
پچی کاری منقش در و دیوار اعلیٰ درجہ کا سامان۔ شہزادہ دیکھ کر حیران
ہو گیا۔ امیر نے شہزادے کے سامنے کھانا پیش کیا۔ کھانا بھی
البتہ نفیس اور مزیدار تھا۔

کھانے کے بعد شہزادے نے امیر سے بھی اپنا وہی حال بیان
کیا جو پہلے میزبانوں سے بیان کیا تھا۔ امیر نے بھی اسی طرح اخلاق
سے جواب دیا۔ اور شہزادے کے آنے پر بہت خوشی ظاہر کی۔
اور شکریہ ادا کیا۔ اس کے بعد کہا کہ "میرے ہاں آج شام کو چند
دوستوں کی دعوت ہے۔ میں اس کے انتظام کے لیے جاتا ہوں
آپ کو پری زاد سیر کرا دے گی"

شہزادہ پری زاد کے ساتھ تمام محل اور باغ کی سیر کرتا رہا۔
شام کے وقت دونوں محل میں واپس آئے۔ تو عجیب بہار رونق
تھی۔ تمام محل نیچے سے اوپر تک روشن تھا۔ ہر طرف باجوں کی
آوازیں آ رہی تھیں۔ اور سیکڑوں مہمان آئے ہوئے تھے تھوڑی دیر میں
کھانا چنا گیا۔ کھانے کے بعد ناچ گانا ہونے لگا۔ ناچ گانا ہو رہا تھا کہ
یکایک کسی کے چیخنے کی آواز سے شہزادہ چونک پڑا۔ اور پری زاد
سے پوچھا کہ "یہ کیسی آواز ہے" پری زاد نے جواب دیا کہ "میں نے
تو کوئی آواز نہیں سنی آپ کو شبہ ہوا ہوگا" شہزادہ پھر گانا سننے
لگا۔ تھوڑی دیر میں پھر وہی آواز آئی۔ اور شہزادے نے پھر
چونک کر کہا کہ وہی آواز پھر آئی۔ تم نے سنی؟ انہوں نے پری زاد
نے پھر کہا کہ "میں نے تو نہیں سنی۔ آپ کا خیال ہی خیال ہے" شہزادے
نے کہا "ممکن ہے ایسا ہی ہو" لیکن ان آوازوں سے پریشان ہو رہا تھا

شاید اس سبب سے ڈر جاتا ہوں۔"
ذرا دیر گذری تھی کہ شہزادے نے تیسری بار چلا کر کہا کہ "یہ
میرا خیال نہیں اب کے میں نے اچھی طرح وہ آواز سنی۔ خدا کے
لیے بتاؤ تو یہ کیسی آواز ہے؟" پری زاد نے ہنس کر کہا "او ہو یہ تو
ہمارا سیاہ چوکیدار ہے۔ یہ بہت ہوشیار و خبردار ہے۔ جب کبھی اسے کچھ شبہ
لگتا ہے تو جمائی لیتا ہے۔ یہ اس کی آواز ہے۔" شہزادے نے تعجب سے کہا "
وہ کوئی دیو ہے کہ اتنے زور سے جمائی لیتا ہے!" پری زاد نے کچھ جواب نہ دیا
اب رات بہت گذر گئی تھی۔ مجلس برخاست ہو گئی۔ سب
مکان چلے گئے۔ پری زاد بھی اپنے کمرے میں چلی گئی۔ امیر اور شہزادہ
رہ گئے۔ تھوڑی دیر دونوں باتیں کرتے رہے۔ پھر امیر نے کہا "چلیے
میں آپ کو سونے کا کمرہ بتا دوں۔ آپ سو رہیے۔" کمرے سے گذرتے
ہوئے دونوں ایک بڑے زینے کے پاس پہونچے۔ شہزادہ اپنے
دل میں اس زینے کی خوبصورتی کی تعریف کر رہا تھا۔ اوپر نظر
اٹھائی تو دیکھا کہ سب سے اوپر کی سیڑھی پر ایک بہت بڑا
خوفناک سیاہ شیر لیٹا ہوا ہے۔ شیر پر نظر پڑتی تھی کہ شہزادہ
تھر تھر کانپنے لگا۔ اور گھبرا کر امیر سے پوچھا "یہ کیا ہے؟" امیر نے کہا
کہ "یہ ہمارا سیاہ چوکیدار ہے۔ ڈرنے کی کچھ بات نہیں۔ یہ کسی سے کچھ نہیں کہتا
ہاں اگر اس سے کوئی ڈرے تو یہ بھی غرانے لگتا ہے۔"

شہزادہ - میں اس سے بے حد ڈرتا ہوں۔

امیر - آپ دل سے خوف نکال دیجئے۔ تو کچھ بھی اندیشہ اور خطرہ نہیں۔

شہزادہ - کہنا کرنے سے زیادہ آسان ہے میں بہتیرا چاہتا ہوں کہ نہ ڈروں لیکن اپنی طبیعت سے مجبور ہوں۔ میں اس کمرے میں نہیں سو سکتا۔ اور کہیں سوؤنگا۔ جہاں اس خوفناک جانور کے پہونچنے کا اندیشہ نہ ہو۔

امیر - جیسی آپ کی خوشی ہو چلئے۔ دیوان خانے میں سو رہئے امیر شہزادے کو دیوان خانے پہونچا کر چلا آیا۔ شہزادے نے دروازے اور کھڑکیاں خوب بند کرلیں۔ اور لیٹ گیا۔ اور خیال کرلیا کہ شیر سو گیا ہوگا۔ لیکن گھنٹہ بھر کے بعد اس کو زینے کے نیچے کسی بڑی اور بھاری چیز کے پاؤں کی آواز آئی۔ اور ایسا معلوم ہوا۔ کہ شیر دیوانخانے کے پاس آکر کھڑا ہوا اور پھر چلا گیا۔ اب شہزادے کو اطمینان ہو گیا کہ شیر دور چلا گیا۔ جاکر سو رہے گا اور ادھر نہ آئے گا۔ لیکن مایوسی تو اس کی قسمت میں لکھی ہوئی تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد اس نے پاؤں کی آواز قریب آتے ہوئے سُنی۔ اور ایسا معلوم ہوا۔ کہ شیر ٹھہر ٹھہر کر سونگھتا ہے جیسے کسی کی تلاش ہو۔ آخر دیوانخانے کے دروازہ کے پاس آگیا

اور چوکھٹ پر ناک لگاکر زور زور سے سونگھنے لگا۔ اور پھر اگلے
پاؤں سے دروازے کو زور سے دھکا دیا۔ اور ساتھ ہی ایسی
بلند آواز سے دہاڑا کہ تمام محل گونج اٹھا۔

شہزادے کا ڈر کے مارے برا حال تھا پلنگ پر سے
کود کر کمرے کے کونے میں جا چھپا۔ رونگٹے کھڑے ہو گئے۔
اور پسینہ میں ڈوب گیا۔ اسے یقین ہو گیا کہ شیر
دروازہ توڑ کر اندر آ جائے گا۔ اور پھاڑ ڈالے گا۔ لیکن اس
کا خیال غلط تھا۔ شیر فوراً چلا گیا۔ اور پھر اس کی آواز نہ آئی
شہزادہ پلنگ پر آ لیٹا۔ نیند کہاں کروٹ بدلتے کے بعد
جو واقعات گزرے تھے۔ سب پر غور کرنے لگا۔ کہ مجھ پر جو
مصیبتیں آ رہی ہیں۔ اور ہر جگہ شیر ہی شیر ملتے ہیں۔ یہ مصلحت
سے خالی نہیں۔ خدا امتحان لے رہا ہے۔ کہ دیکھیں شیر سے
بھاگ کر کہاں جاتا ہے۔ مطلب یہی ہے۔ کہ مجھے فوراً اپنے
ملک کو واپس جانا چاہئے۔ اور شیر سے لڑ کر ملک کی رسم کو ادا
کر دینا چاہئے۔ یہ سوچ کر اس نے واپسی کا ارادہ کر لیا۔

صبح کو امیر جگانے آیا تو دیکھا شہزادہ بیٹھا ہے۔ سلام کیا
اور کہا کہ آپ کی رات والی حرکت پر مجھے نہایت تعجب ہے۔ اب آپ
کو اس حالت میں دیکھ کر میری حیرت بڑھ گئی۔ آپ کو کیا پریشانی

اور تکلیف ہے۔ مجھ سے سچ سچ کہہ دیجئے کچھ نہ چھپایئے پہلے یہ بتایئے۔ کہ آپ کون ہیں؟۔ شہزادے نے کہا کہ "میں شاہ المنظور کا بیٹا ہوں۔ اور ایسے کام سے بھاگ کر آیا ہوں جس کو پورا کرنا میرا فرض تھا مجھے اس کی سزا مل رہی ہے۔ میں نے ہر جگہ اطمینان اور آرام چین حاصل کرنا چاہا۔ لیکن تکلیف اور مصیبت پیش آئی۔ اب میں نے توبہ کر لی ہے۔ اور ارادہ کیا ہے کہ اسی وقت اپنے ملک کو جاتا ہوں۔ اور اس خدمت کو انجام دوں جس سے ڈر کر بھاگا ہوں"

امیر بہت خوش ہوا اور کہا کہ "آپ کے والد سے میری خوب ملاقات تھی۔ مجھے معلوم ہے۔ کہ آپ کس کام سے بھاگ کر آئے ہیں۔ ضرور واپس جایئے۔ خدا آپ کو کامیاب کرے اسی وقت شہزادے نے گھوڑا منگوایا اور اس کو رخصت کر دیا

شہزادہ وہاں سے چل سید ھا عربوں کے سیاہ خیمہ گاہ میں گیا۔ شیخ سے ملا اور اپنا نام پتہ اور سب حال بیان کر کے کہا کہ "مجھے بہت افسوس تھا کہ میں آپ کو اس طرح چھوڑ کر چلا گیا۔ اب میں اپنی خدمت کو انجام دینے کے لئے واپس جا رہا ہوں۔ مجھے آپ کے گھوڑے سے بہت محبت ہو گئی تھی۔ وہ تو اچھا ہے؟ شیخ نے کہا وہ بالکل اچھا ہے

میں چاہتا تھا کہ آپ چند روز یہاں رہتے لیکن آپ ایک ایسے نیک کام کے لئے جا رہے ہیں کہ میں روک نہیں سکتا آپ جایئے خدا آپ کو کامیابی دے۔

شیخ سے رخصت ہو کر شہزادہ اپنے سب سے پہلے میزبان عمر کے پاس گیا۔ اس سے بھی یہی حال بیان کیا بانسری بجانے والے لڑکے کی خیریت پوچھی اور عمر کی دعائیں لے کر روانہ ہو گیا۔

اپنے ملک میں پہنچ کر سیدھا محل میں گیا۔ اور فوراً بوڑھے وزیر کو بلا کر سفر کی ساری داستان سنائی اور کہا کہ اب میں شیر سے لڑنے کے لئے بالکل تیار ہوں۔ مجھے فوراً اس پہاڑ پر لے چلو۔ وزیر نے کہا" اتنی جلدی کی ضرورت نہیں۔ آپ اچھی طرح آرام کریں۔ ایک ہفتے کے بعد یہ رسم ادا ہو جائے گی" شہزادہ نے منظور کر لیا۔

ایک ہفتے کے بعد وہ دن آ گیا اور شہزادہ وزیر کے ساتھ اسی غار پر پہونچا۔ اور خنجر لے کر غار میں کود پڑا۔ شیر اوّل تو شہزادے کو دیکھ کر زور سے دہاڑا۔ اور پھر شہزادہ کو دیکھتا آگے بڑھا۔ شہزادہ بالکل نہ ڈرا۔ اسی طرح وہ بھی شیر سے آنکھیں لڑائے رہا۔ اور خنجر لے کر لپکا۔ شیر پھر چیخا۔ اور زور سے

کود کر شہزادے کو پیلا لگتا ہوا۔ دوسری طرف زمین پر آگرا اور ادھر سے لوٹ کر شہزادے کے پاؤں میں لوٹنے لگا۔ وزیر نے غار کے باہر سے چلا کر کہا "آپ جیت گئے۔ لڑائی ختم ہوگئی" شہزادہ باہر نکل آیا اور شیر پالتو کتے کی طرح اس کے پیچھے آنے لگا۔ حبشی نے دروازہ بند کر دیا اور چلا گیا۔

وزیر نے شہزادہ سے کہا کہ "یہ شیر پلا ہوا ہے۔ کسی کو نہیں ستاتا۔ لیکن آپ کو لڑتے وقت اس بات کا علم نہ تھا اپ کی بہادری ثابت ہوگئی۔ اب آپ بادشاہت کے قابل ہیں آئے اور تخت پر بیٹھئے۔"

شہزادہ اور وزیر پہاڑ سے اترے تو دور سے کچھ لوگ آتے نظر آئے۔ قریب آگئے تو سب سے بڑھ کر اسی امیر نے سلام کیا۔ اور شہزادے کی کامیابی پر مبارکباد دی۔ شہزادے نے پری زاد کی خیریت پوچھی۔ امیر شہزادے کا ہاتھ پکڑ کر ایک گھوڑے کی طرف لے گیا۔ جس پر ایک عورت منہ پر نقاب ڈالے ہوئے سوار تھی۔ امیر نے کہا "یہ پری زاد ہے" اس کے بعد عربوں کے شیخ نے سامنے آکر سلام کیا۔ اور وہی گھوڑا نذر کیا۔ پھر عمر حاضر ہوا اور سلام و مبارکباد کے بعد بانسری بجانے والے لڑکے کو پیش کیا۔ کہ آپ کو اس کا گانا بہت

پسند تھا۔ یہ آپ کی خدمت کے لئے حاضر ہے۔

اب شہزادے کی خوشی کا کیا پوچھنا۔ نہ صرف تاج اور تخت ہی ملا بلکہ جو جو چیزیں اس کو پسند آگئی تھیں سب ہی مل گئیں۔ یہ تمام جلوس باجوں کی آواز کے ساتھ شہر میں داخل ہوا۔ اسی دن تخت نشینی ہوئی۔ اور پری زاد کے ساتھ شہزادے کی شادی ہو گئی۔

شہزادے نے حکم دیا کہ سارے واقعات اس ملک کی تاریخ میں درج کئے جائیں۔ اور اپنے محل کے دروازہ پر سنہرے حرفوں میں یہ لکھوا دیا۔

آدمی کو اپنا فرض انجام دینے کے لئے
شیر سے لڑنا پڑے تب بھی نہ ڈرنا چاہئے

شہزادہ عجیب کی کہانی سے ہم کو یہ سبق حاصل ہوتا ہے کہ

ہو ڈینگ نہ شیخی نہ تعلّی ہم میں
ہر طرح ہو اخلاق کی خوبی ہم میں

ہو کوہ کی طرح اپنی ہمت عالی
چشموں کی طرح ہو سیر چشمی ہم میں

محنت سے قبولی کے پھول کھل سکتے ہیں
غنچے حکمت و تجربت کے کھل سکتے ہیں

کوشش کی نظر میں کب ہے مشکل کا وجود
ہمت ہو گر پہاڑ ہل سکتے ہیں

تحصیل علوم کر کہ دولت ہے یہی
اخلاق درست کر کہ زینت ہے یہی

آخر کی یہ بات یاد رکھ اے عشرت
محفوظ ہو معصیت سے عزت ہے یہی

(مولوی حامد حسین قادری)

ایک لڑکے کی فراست

خلیفہ ہارون رشید کے عہدِ دولت کا ذکر ہے۔ کہ شہر بغداد میں ایک سوداگر تھا۔ علی خواجہ نام۔ تھوڑے سرمایہ سے تجارت کرتا۔ اور اپنے آباؤ اجداد کے بنائے ہوئے گھر میں رہتا۔ مگر عیال و اطفال کوئی نہ رکھتا تھا ایک بار عالمِ رویا میں اس کو ہدایت ہوئی کہ اے خواجہ سفرِ حجاز کیوں نہیں کرتا۔ حالانکہ حج تجھ پر فرض ہے۔ اس خواب نے اس کے دل میں ایسی تاثیر کی کہ حج بیت اللہ کا عزم مصمم کیا۔ اور سامانِ سفر کی تیاری کرنے لگا۔

موروثی حویلی کا بیع کرنا مناسب نہ جان کر اس میں ایک کرایہ دار رکھ دیا۔ اور گھر کا تمام اثاثہ اور دکان کا کل مال اسباب یکمشت بیچ ڈالا۔ صرف چند نفیس اشیا مکہ میں فروخت کرنے کی نیت سے جدا کر لیں۔ اس طرح جو کچھ زرِ نقد وصول ہوا۔ اس میں سے زادِ راہ نکالنے کے بعد ایک ہزار اشرفی پس انداز ہوئی۔ ان کو ایک ٹھلیا میں رکھا اور اوپر سے روغنِ زیت منہا منہ بھر کر منہ خام کر دیا۔ تاکہ کسی کو زرِ نقد کا گمان نہ گزرے۔

بغداد کے سوداگروں میں ایک تاجر تھا۔ نہایت مالدار و صاحبِ اعتبار۔ اس کے علاوہ خواجہ کا دوستِ قدیم بھی تھا یہ ٹھلیا لے جا کر اس سے درخواست کی کہ جب تک میں سفرِ حج سے مراجعت

کردوں۔ میرا روغن زیت بطور امانت اپنے پاس رہنے دیجیے۔ تاجر نے مال خانہ کی کنجی خواجہ کو دیکر کہا۔ کہ بھائی تم جہاں مناسب جانو رکھ دو۔ جب مع الخیر واپس آؤ گے۔ اپنی امانت بجنسہ لے جانا۔

علی خواجہ نے ایک حجرے کے اندر محفوظ جگہ میں اس ٹھلیا کو اپنے ہاتھ سے رکھ دیا حجرے کو مقفل کر کنجی تاجر کے حوالہ کی۔ اس سے رخصت ہو۔ اپنے مقام پر آیا۔ اور اس تجارتی مال کو جو لے جانے کے لئے منتخب کر لیا تھا۔ کرایہ کے اونٹ پر بار کیا اور اسی پر سوار ہو کر کاروانِ حجاج کے ہمراہ روانہ ہو گیا۔

بعدِ قطع منازل و طے مراحل کچھ مدت میں وہ قافلہ با من و عافیت داخل مکہ معظمہ ہوا۔ اسی طرح اطراف و اکناف عالم اور دُور دست ممالک سے جوق جوق مسلمان ادائے حج کی نیت سے اس بقعہ متبرکہ میں حاضر ہوتے گئے۔ اور حسب معمول ماہ ذی حجہ میں علی خواجہ نے خلوص نیت کے ساتھ حج و طواف کے مناسک ادا کئے۔ جب اس عبادت عظمیٰ سے فراغ پایا۔ تو اس نے اپنا اسباب تجارت بیچنے کی غرض سے نکالا۔

اتفاقاً دو تاجر مغربی سیر کرتے علی خواجہ کی دکان پر آنکلے اس کے اسباب کو بغور دیکھا۔ نہایت پسند کیا۔ اور آپس میں کہنے لگے اگر یہ متاع [illegible] قاہرہ میں ہوتی یقیناً نفع کثیر حاصل ہوتا۔

علی خواجہ چونکہ بارہا ملک مصر کی صفت وثنا سن چکا تھا اس
لئے پہلے ہی سے وہاں کی سیر و سیاحت کا بدل مشتاق تھا۔ ان تاجروں
کی تحریک نے اس کے شوق کو اور بھی دوبالا کر دیا۔ پھر تو خواجہ نے اپنا
وطن کا ارادہ ملتوی کر کے مصر کا عزم بالجزم کیا۔ اور ایک قافلہ کے
ساتھ شہر قاہرہ کی جانب روانہ ہوا۔

جب اس ملک کی سرزمین پر قدم رکھا تو ہر مقام کو زرخیز
و مرفہ حال پایا۔ شہر قاہرہ کی فضا و عمارات خوش نما کو دیکھکر نہایت
محظوظ ہوا۔ اہرام مصر اور دیگر آثار قدیمہ کی سیر کی۔ جو اس نواحی
میں رود نیل کے کناروں پر واقع ہیں۔ بعد ازاں ایک کارواں
سرائے میں مقیم ہو کر اشیاء تجارت کو نکالا۔ اور عمائد و روسائے شہر
کے ہاتھ منہ مانگے داموں فروخت کیا۔ اور توقع سے زیادہ نفع اٹھایا۔

جب اس شہر کی سیر سے دل سیر ہو گیا تو ملک مصر کے تحائف
و نفائس خرید کر دمشق کی جانب کوچ کیا۔ اثنائے راہ میں جا بجا چشمے
نہریں لبریز۔ زراعت سرسبز۔ باغات بارور پائے شہر دمشق کو جو مدت
تک خلفائے بنی امیہ کا دار الخلافت رہا تھا۔ نہایت معمور اور آراستہ
دیکھا۔ اس کی رونق نے شہر بغداد کی خوبیاں بھی خواجہ کے دل سے محو کر دیں

الغرض ایک مدت بعد وہاں سے چلا اور ہر ایک شہر مشہور
اور دیار معروف کے اندر قیام و مقام کرتا۔ حلب موصل اور شیراز

جیسے نامی گرامی مقامات کی بخوبی سیر کر کے سات برس کے بعد عازم بغداد ہوا۔
تاجر بغداد کو جو خواجہ کا امین تھا۔ اس مدت دراز میں کبھی اس امانت
کا خیال تک نہ آیا۔ قضارا خواجہ کی معاودت سے کچھ پیشتر ایک دن کھانا
کھاتے ہوئے اس کی زوجہ نے روغن زیت کی فرمائش کی بولا کہ مجھ کو اس
تذکرہ نے خواجہ کی ٹھلیا یاد دلادی سات سال کا عرصہ ہوا کہ وہ روغن
زیت کی ٹھلیا فلاں حجرے میں بند کر کے حج کرنے گیا تھا۔ خدا جانے جیتا ہے
یا مرگیا۔ بعض حجاج کی زبانی یہ تو سنا تھا کہ مصر کی جانب چلا گیا ہے اگر
وہ روغن از کار رفتہ ہوگیا ہو تو لاؤ اس میں سے تھوڑا سا چکھیں۔
وہ بی بی نہایت ایماندار اور متدین تھی۔ شوہر کی ان باتوں
پر اس نے سخت نفرین کی۔ اور کہا "کہ نعوذ باللہ میں ہرگز اس فعل
قبیح کی روادار نہ ہونگی" کسی کی امانت میں خیانت کرنا کون سے مذہب
میں جائز ہے۔ اور اس کا سات برس کا کہنہ روغن کھانے کے قابل
کب رہا ہوگا۔ جس کے لئے تم اپنی نیت بگاڑتے ہو اس نیک بی بی کی
ملامت نے سوداگر کو اس ارادۂ فاسد سے باز رکھا۔
لیکن دوسرے وقت اس نے ٹھلیا کو جا ہی کھولا۔ روغن اگرچہ
متعفن معلوم ہوا پھر بھی اس نے ایک قاب بھر لی۔ اتفاقاً روغن میں
ایک اشرفی بھی نکل آئی۔ جس نے تاجر کی بدنیتی کو یہاں تک بڑھایا
کہ اس نے ایک بڑے ظرف میں تمام روغن انڈیلا اور وہ ہزار اشرفیاں

جو ٹھلیا میں پوشیدہ تھیں۔ اپنے قبضہ میں کر لیں۔

ہر چند کے تاجر کو ظن غالب تھا۔ کہ اب خواجہ زندہ و سلامت واپس آنے والا نہیں۔ تاہم بخیال دور اندیشی تازہ روغن بازار سے خرید ٹھلیا کو پُر کر دیا۔ اور بدستور منہ خام کر کے جہاں سے اُٹھائی تھی اسی جگہ جوں کی توں رکھ دی۔

اس ماجرے کے ایک مہینہ بعد علی خواجہ صحیح و سلامت داخل بغداد ہوا۔ دو ایک دن بعد جب کسل راہ اور تھکان سفر دور ہو گیا تو دوست آشناؤں سے ملاقات کرتا اس تاجر کے گھر پہنچا۔ خواجہ کی صورت دیکھتے ہی تاجر کا دل سہم گیا۔ لیکن ظاہرا بڑے تپاک سے پیش آیا۔ اور اس کو بخیر و عافیت واپس آنے اور حج و زیارات سے مشرف ہونے کی مبارک باد دی۔ جب کے طرفین سے پرسش مزاج اور استفسار حالات کی رسم ادا ہو چکی۔ تو خواجہ نے اپنی امانت طلب کی۔ تاجر نے کہا کہ بھائی میں نے تو اس وقت تک اس کی شکل بھی نہیں دیکھی۔ تم نے جس جگہ رکھ دی تھی۔ وہیں ہو گی۔ یہ کنجی لو۔ آپ نکال کر لیجاؤ۔

خواجہ ٹھلیا کو لیکر اپنے گھر پہنچا۔ کھول کر دیکھتا ہے تو محض روغن بھرا ہے۔ اشرفیوں کا پتہ نہیں نہایت ملول و متردد ہوا اور مارے اضطراب و تشویش کے الٹے پاؤں سوداگر کے گھر دوڑا گیا۔ اور کہا کہ خدا علیم ہے۔ میں اس ٹھلیا کے اندر ایک ہزار اشرفی بند کر گیا تھا۔

اب دیکھا تو قطعی تدارد ہیں۔ اگر آپ نے عند الضرورت صرف کر لیں
ہوں تو کچھ مضائقہ نہیں جب جی چاہے تو دیدینا۔
سوداگر نے انکار محض کیا۔ اور کہا کہ تم نے خود روغن زیت
بیان کیا تھا۔ میں نہیں جانتا۔ اس کے اندر کیا تھا۔ تم اپنی امانت
جوں کی توں اٹھا کر لے گئے ہو۔ یہ بات شرافت سے بعید ہے کہ اتہام
بیجا لگا کر مجھ کو رسوا کرو۔ اور میری ناموس میں بٹہ لگاؤ۔
ہر چند خواجہ نے منت سماجت کی اور رو کر کہا کہ میرا مایہ
توکل اور ساری عمر کی کمائی یہی ہزار اشرفیاں تھیں۔ اگر میرے
حال زار پر رحم کھا کر دیدو گے تو میں سمجھوں گا گویا تم نے اپنی گرہ
سے دیں۔ اور تا زیست تمہارا ممنون احسان رہوں گا مگر خائن
سوداگر کا دل نہ پسیجا۔ بلکہ درشتی سے پیش آیا اور چیں بہ جبیں ہو کر
کہا کہ تم نے سچ سے یہی فیض پایا ہے کہ شریفوں پر بہتان و افترا
کر کے اپنی مٹھی گرم کرو۔ خبردار میرے گھر پر نہ آنا۔ ایسے مفتری کی
ملاقات کا میں روادار نہیں۔
اس حیص بیص کو سن کر اہل محلہ اور راہ چلتے جمع ہو گئے
تھے۔ ان کی زبانی آن کی آن میں خبر منتشر ہو گئی۔ ہر وضیع و شریف
کی زبان پر یہی تذکرہ تھا۔ اور ہر کوچہ و بر زن میں یہی چرچا۔
جب کشود کار کی کوئی صورت نظر نہ آئی تو علی خواجہ نے
تنگ آکر دار القضا میں اپنا دعوا پیش کر دیا۔ قاضی نے خواجہ سے شاہد طلب کیے

اس نے کہا "میں نے بخوف افشائے راز کسی کو گواہ نہیں کیا تھا" قاضی نے تاجر کو بلا کر حکم دیا کہ اس معاملہ کی نسبت قسم اور حلف کرے۔ تاجر نے صاف قسم کھالی اور مواخذہ سے بری ہو گیا۔

اب خواجہ نے مایوس ہو کر خلیفہ کی حضور میں مُرافعہ کیا۔ ہارون نے حکم دیا کہ کل بعد نماز جمعہ مدعی و مدعاعلیہ دونوں حاضر آئیں میں بذات خود اس قضیہ کو فیصل کروں گا۔

خلیفہ ہارون رشید شام کے بعد جیسا کہ اس کا معمول تھا بہ تبدیل لباس شہر کے گشت کو نکلا۔ ایک محلہ میں لڑکوں کا انبوہ اور ان کا شور غل سن کر ٹھٹکا۔ دیکھا کہ ایک گروہ اطفال لہو ولعب میں مصروف ہے۔ صاف میدان ہے نکھری ہوئی چاندنی ہے۔ عدالت قضا کی نقل کا سامان ہے۔ اور وہی مقدمہ علی خواجہ کا زیر تجویز ہے

خلیفہ کو یہ تماشا از حد دلچسپ معلوم ہوا اور آخیر فیصلہ کے صادر ہونے تک لڑکوں کی تمام کارروائی کو بغور دیکھتا اور سنتا رہا۔

ایک شکیل وجمیل لڑکا جس کے چہرے سے فراست کے آثار نمایاں تھے۔ قاضی شہر بنایا گیا۔ اور نہایت متانت وشکوہ کے ساتھ مسند قضا پر جا بیٹھا۔ دوسرا لڑکا علی خواجہ بن کر مصنوعی قاضی کی حضور میں اپنا عرضی دعویٰ لایا۔ بحکم قاضی مدعا علیہ طلب کیا گیا اور فوراً تیسرا لڑکا تاجر بغداد کے نام سے حاضر ہو گیا۔ اسکا اظہار بھی

قلیت ہوا۔ اور اس نے وہی انکاری جواب دیا۔ جو اصلی مدعا علیہ نے
دیا تھا۔ مصنوعی قاضی نے فرمایا کہ قبل اس کے کہ مدعا علیہ کو قسم کھانے
کی تکلیف دی جائے۔ میں چاہتا ہوں کہ اس ٹھلیا کو بچشم خود معائنہ
کروں۔ فرضی مستغیث گیا اور بسُرعت تمام ایک ٹھلیا عدالت میں
حاضر لایا۔ قاضی نے فریقین سے بہ تکرار سوال کیا۔ آیا یہ وہی متنازعہ
ٹھلیا ہے؟ جب دونوں نے تسلیم کر لیا۔ تو قاضی نے جھوٹ موٹ
تھوڑا سا روغن چکھا۔ اور متعجبانہ کہا۔ سات سال کا عرصہ گزرتا
ہے اور اس کے ذائقہ میں اصلا تغیر واقع نہیں ہوا! سرہنگانِ
عدالت کو حکم دیا" ابھی جاؤ اور دو معتبر روغن فروشوں کو بازار
سے بلا لاؤ۔ زرا تامل کے بعد دو لڑکے خوبصورت روغن فروش
آموجود ہوئے۔

عدالت۔ تم کون ہو؟

روغن فروش۔ حضور ہم روغن زیت کی خرید و فروخت کرتے ہیں
اور قدیم الایام سے ہمارا یہی پیشہ ہے۔

عدالت۔ اچھا تم بتا سکتے ہو کہ روغن زیت کتنی مدت تک
اپنی اصلی حالت پر رہتا ہے۔

روغن فروش۔ ہاں جناب ہم کو اکثر تجربہ ہوا۔ اور بارہا مشاہدہ
کیا ہے۔ کہ تین سال کے بعد روغن کے رنگ و بو میں فرق پڑ جاتا

اور بالکل سڑ جاتا ہے۔ کیسی ہی نگہداشت کی جائے ہرگز کھانے کے قابل نہیں رہتا۔

عدالت ۔ اچھا اس روغن کو چکھو۔ اور اپنے علم و یقین کے مطابق صحیح اندازہ کرو۔ کہ یہ کے برس کا معلوم ہوتا ہے؟

روغن فروش ۔ (تھوڑا چکھ کر) جناب عالی! یہ تو نہایت خوش طعم و خوش بو ہے۔ غایت درجہ ایک سال کا ہوگا۔

عدالت ۔ پھر امتحان کرو شاید تم کو مغالطہ ہوا ہو۔ کیونکہ یہ روغن سات برس کے بعد کھولا گیا ہے۔

روغن فروش ۔ نہیں حضور ہم کو کچھ شبہ نہیں۔ سال بھر سے زیادہ کا ہرگز نہیں معلوم ہوتا۔

عدالت ۔ (مدعا علیہ سے مخاطب ہو کر) تم بھی سوداگر ہو اس کو چکھو اور اپنے قیاس سے بتاؤ کتنی مدت کا ہے۔

مدعا علیہ ۔ (کچھ سکوت کے بعد) سچ تو یہ ہے کہ اشرفیاں نکال کر تازہ روغن خود میں نے بھر دیا ہے۔

عدالت ۔ چونکہ ملزم ارتکاب جرم پر مُقر ہے لہذا عدالت حکم دیتی ہے۔ کہ ایک ہزار اشرفی مُدعی کو مُدعا علیہ سے دلائی جائیں اور بعلت دغا بازی و خیانت مدعا علیہ دو برس تک قید شدید میں رہے

اس روداد کے ختم ہوتے ہی سب لڑکے تالیاں بجاتے اور

غل مچاتے فرضی مجرم کو پابجولاں کر کے مجلس کی طرف لے چلے۔

ہارون رشید۔ اس نقل کو مشاہدہ کر کے بغایت محظوظ ہوا اور جعفر وزیر سے جو اس کے ہمراہ تھا۔ فرمایا کہ اس لڑکے کو جو قاضی بنا تھا خوب شناخت کر لو کل جس وقت فریقین حاضر آئیں گے۔ اس مقدمہ کا فیصلہ اسی لڑکے سے کراؤنگا۔ دو روغن فروش بھی بلا لینا۔ اور قاضی شہر کو بھی بلا لینا۔ تاکہ اس لڑکے کی فراست سے معدلت کا سبق حاصل کرے یہ کہہ کر خلیفہ حریم خلافت میں داخل ہوا

وزیر جعفر۔ صبح دم اس محلہ میں پہنچا۔ جہاں رات کا تماشا دیکھا تھا۔ محلہ کے اطفال کو جمع کر کے قاضی دوشینہ کو پہچانا۔ اور کہا " صاحب زادے! ذرا میرے ساتھ چلو۔ خلیفہ روزگار نے تم کو یاد فرمایا ہے" یہ حکم سن کر اس بچے کی ماں حواس باختہ روتی پیٹتی گھر سے باہر نکل پڑی وزیر نے اس کی تسلی کی اور فرمایا۔ تم کسی طرح کا خطرہ اپنے دل میں نہ لاؤ۔ میں ضامن ہوتا ہوں گھڑی دو گھڑی کے بعد تمہارا لڑکا تمہارے پاس آجائے گا۔ تب اس نے اپنے بچہ کو لباس فاخرہ پہنا۔ وزیر کے ہمراہ کر دیا۔

خلیفہ۔ نے اس لڑکے کو پیار کیا۔ اور اجلاس کے وقت اپنے پاس بٹھا کر حکم دیا۔ کہ متخاصمین حاضر ہیں۔ اس مقدمہ کو اسی طرح فیصل کر جس طرح تو نے رات کے کھیل میں کیا تھا جبکہ لڑکا اسی انداز سے قضیہ فیصل کر چکا

تو خلیفہ نے اس کو ایک ہزار اشرفیاں بطور انعام دیکر اسکی ماں کے پاس پہنچا دیا۔

(مولانا اسمٰعیل)

انشاء اللہ

م۔ "کافر کافر!" د۔ "کیوں حضرت کافر کیوں"؟ م۔ "تم نے کیا کہا"؟
د۔ "میں نے کہا اَنَا مُومِنٌ انشاءاللہ"، م۔ "کافر کافر! یوں کہو "اَنَا مُومِنٌ حقاً"
اس جگہ انشاءاللہ کا لفظ نہیں کہتے! ایسے موقعہ پہ یوں بولنا کفر ہے"
د۔ "پھر حضرت کس جگہ کہتے ہیں"؟ م۔ "قسم سے بچنے وعدہ پورا کرنے، بے
گناہ دھوکہ دینے، جھوٹ بولنے اور جھوٹا نہ ہونے میں"!
د۔ "حضرت پھر تو انشاءاللہ خوب اوزار ہی کیا مسلمانوں کا ہتیا؛ اسی مسئلہ پہ ہے"؟
م۔ "ہاں جو پرہیزگار مولوی، عالم، شرع پہ چلنے والے ہیں، گناہوں سے
بچنا چاہتے ہیں۔ وہ ہمیشہ اسی پہ خیال رکھتے ہیں"۔ د۔ "حضرت میں تو
نہیں سمجھا" م۔ "فقہ پڑھی ہو، اصول فقہ جانا ہو، عالموں کی صحبت اٹھائی
ہو، تو جانو، جاہل کندۂ ناتراش، نہ پڑھے نہ لکھے جانوں تو کیا جانو"؟
د۔ "حضرت آپ ہی سمجھا دیجئے" م۔ "ارے میاں! اِنْ کے معنی تو اگر، شاء
کے معنی چاہا، اللہ کے معنی تو اللہ ہیں ہی، مگر وہ فاعل واقع ہوا ہے
جس کے معنی نے کے ہوتے ہیں۔ اب سب کو ملاؤ تو یہ معنی ہوئے "
"اگر چاہا اللہ نے"، اب دو مسئلے فقہ کے اور سمجھ لو"، "اگر کوئی امر کسی پہ
مشروط ہو، اور بسبب نہ پورے ہونے شرط کے ادا کیا جائے۔

تو کچھ گناہ لازم نہیں آتا" اذا فات الشرط فات المشروط ایک مسئلہ ہوا دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ خالق جمیع افعال و عباد کا خدا ہے۔ بس جب ان دونوں مسئلوں کو ملا کر انشاءاللہ کے معنوں کو دیکھو تو پھر انشاءاللہ کہنے کے بعد کچھ گناہ نہیں رہتا۔ د۔ حضرت میں مسئلے تو بخوبی سمجھ گیا، مگر اب تک میری سمجھ میں یہ نہیں آیا کہ گناہ کیونکر نہیں رہتا۔ کیا وہ لفظوں کے الٹ پھیر سے الٹ جاتا ہے؟

م۔ جاہل! اور کیا؟ ہماری جیب میں ایک گھڑی ہے۔ ہمارے دوست کو اس کی ضرورت ہے۔ جب اُس نے ہم سے مانگی ہم نے کہا کہ ہمارے گھر میں کوئی گھڑی ہی نہیں۔ اُس نے کہا قسم تو کھاؤ ہم نے کہا خدا کی قسم ہمارے گھر میں کوئی گھڑی نہیں۔ ہمارے گھر میں ایک اشرفی رکھی ہے، ہمارے دوست نے ہم سے اشرفی مانگی، ہم نے کہا کہ ہمارے پاس کوئی اشرفی نہیں۔ اوس نے کہا قسم تو کھاؤ، ہم نے کہا کہ خدا کی قسم ہمارے پاس کوئی اشرفی نہیں۔ کیوں! سچ بات ہوئی کہ نہیں؟ بات ہی بات میں گناہ الٹ گیا کہ نہیں؟ یہ تو باتیں ہی باتیں ہوئیں روپے پیسے سود بٹے کے معاملے میں بھی لفظوں ہی کے الٹ پھیر سے گناہ الٹ جاتا ہے۔ تو پھر سونا سولہ روپے کی قیمت کا ہم سے قرض لو۔ سود سے بچنے کو کہہ لو۔ بیس تولے چاندی لیں گے۔ سولہ تولہ چاندی میں وہی تولہ بھر سونا آیا، اور چار تولہ چاندی سود میں بچ رہی۔

اور سود نہ ہوا۔ کھوٹا سونا جس میں ذرا سا تانبے کا میل ہو قرض دو
اور اسی وزن کے برابر کھرا سونا لے لو۔ مال تو زیادہ کا ہاتھ لگ گیا
اور سود نہ ہوا۔" مکان گروی رکھو، راہن سے لکھوالو کہ سکونت میں
نے بخل کی، کرایہ کا فائدہ ہوا۔ اور سود نہ ہوا۔" گاؤں گروی لو مثلاً
ہزار روپئے کو جس میں دوسو روپیہ سالانہ کا فائدہ ہو۔ راہن سے
اسی روپئے سال دینے کے اقرار پر پٹا لکھوالو۔ اور گاؤں پر قبضہ
کرلو۔ کل منافع تحصیل کرو۔ ایک سو بیس روپئے سال سود کے پیٹے
کے نام سے پٹے کہ نہیں؟ اور سود نہ ہوا۔ د۔ حضرت! کیا یہ ہوتا ہے؟
م۔ خدا کی قسم سب کرتے ہیں۔ جتنے مقدس خدا پرست! وہابی۔
نیم وہابی۔ مقلد۔ حنفی۔ زمیندار۔ تعلقدار ہیں سب کرتے ہیں۔ بڑے
بڑے مولویوں نے فتوے دیدیئے ہیں۔ اب سمجھے کہ لفظوں کے الٹ
پھیر سے گناہ پلٹ گیا کہ نہیں؟ اجی ابھی ہمارے پاس کوئی زکوٰۃ کا
روپیہ لاوے۔ اور ہم مستطیع ہوں، ابھی گھر میں جاکر بیوی سے کہہ
آویں کہ ہم نے اپنا کل مال تم کو ہبہ کیا۔ اب ہم مفلس ہوگئے کہ نہیں
باہر آویں اور زکوٰۃ کا روپیہ لے لیں، باتیں ہی تو ہوئیں۔ ان
باریکیوں کے سمجھنے کے لئے علم درکار ہے"

د۔ بھلا حضرت یہ تو ہوا انشاءاللہ والی بات رہ گئی اس کو بھی کسی
مثال سے سمجھا دو۔ م۔ اے میاں یوں سمجھو کہ جیسے تمہارا دل خوش

کرنے کو تم سے کہہ دیا۔ کہ ہم کل تمہارے ہاں آویں گے۔ انشاءاللہ ہمارا
ارادہ آنے والے کا کچھ نہ تھا۔ یوں ہی کہہ دیا تھا۔ جب نہ گئے تو معلوم
ہوا کہ خدا نے نہیں چاہا۔ اسی وعدہ کو مشروط کیا تھا۔ اذا فات الشرط
فات المشروط، بات کی بات میں گناہ پلٹ گیا۔ کبھی تم عدالت میں گواہی
دینے بھی گئے ہو؟" ہاں صاحب ایک دفعہ گیا تھا۔ میں نے تو جو سچ تھا
وہ کہہ دیا تھا۔ مگر میرا بھائی مقدمہ ہار گیا۔ جب گیا تھا۔ وہاں ایک
کالے شخص کی گول چپت وہ ٹوپی پہنے ہوئے گوری رنگت کا مسلمان
مولوی کرسی پر بیٹھا تھا۔ اس نے قسم دی کہ سچ کہنا میں جھوٹ بولنے
سے ڈر گیا۔ سچ کہہ دیا۔ ہاں فقہ نہ جانتے۔ عالموں کی صحبت نہ اٹھانے
سے سو ہی تو نتیجہ ہوتا ہے۔ اسی سبب اس مولوی جج نے قسم دی تھی کہ
سچ بولنا تو نے کہا ہوتا کہ خدا کی قسم سچ بولوں گا۔ انشاء اللہ اگر وہ جج
نام کا مولوی تھا۔ اور فقہ نہ جانتا تھا۔ تو تو نے پکار ہی کر انشاء اللہ۔
کہا ہوتا۔ اور اگر وہ مولوی تھا۔ اور ٹھٹھیرے سے ٹھٹھیرے بدلائی آن
پڑی تھی۔ تو آپ رکھ کہا ہوتا۔ کہ خدا کی قسم سچ بولوں گا۔ اور جھٹ پٹ
دل میں کہہ لیا ہوتا۔ انشاء اللہ مگر یہ خیال رکھا ہوتا کہ سانس نہ ٹوٹنے
پائے۔ ورنہ انشاء اللہ کا جوڑ ٹوٹ جاتا پھر جو جی چاہتے وہ کہہ دیتے ذرا
بھی جھوٹی قسم کھانے کا گناہ نہ ہوتا۔
و۔ حضرت! باتیں تو آپ نے خوب بتائیں مگر میں تو حیرت میں ہو گیا

اب تو رخصت ہوتا ہوں، اور کسی سے بھی تحقیق کرونگا. میرا دل دھکڑ پکڑ کر رہا ہے
ہم - تم جس مولوی سے چاہنا پوچھنا - یہی بتاویگا. کہو میں ابھی ہدایہ شرح
وقایہ - دُرِ مختار، بحر الرائق - نہر الفائق، اور بڑے بڑے معتبر فتاووں
سے ہر ایک جُزئیے کی روایت نکالدوں، اور تم نے وہ فتاوے بھی دیکھا
ہے؟ جو پرانے خاندانی مولویوں اور قاضیوں کے ہاں ہوتا ہے میں
اس وقت اس کا نام بھول گیا ہوں - یاد آجاویگا تو بتا دونگا -
اس میں ہر ایک مسئلہ کی نسبت دو روایتیں لکھی ہیں - ایک میں
جائز حلال - اور دوسری میں ناجائز حرام لکھ رکھا ہے - پھر جو کسی
روایت کے مطابق چاہا فتوے لے لیا - بہت ہوا روپیہ دو روپیہ
فتوے کے نام سے نہیں - اور کسی نام سے کبھی کبھی دیتے رہے، کیوں؟
بات کی بات میں گناہ پلٹ گیا کہ نہیں؟ مگر اس زمانہ میں جو کمبخت
مقلدین فلاسفہ ملاعدہ نکلے ہیں - وہ تو مذہب اسلام کی جڑ کاٹتے
ہیں - یا اللہ کیا مشکل پڑی ہے !!!

تھوڑی دور چلے تھے - کہ ایک پیر مرد متبرک صورت سفید ریش
سے ملے - جانا کہ یہ بھی کوئی مولوی ہیں - پکار کر کہنے لگے کہ مجھے آپ سے
کچھ پوچھنا ہے - انھوں نے کہا کہ بھائی! کیا کوئی مذہبی مسئلہ ہے؟
بولے حضرت! ہاں مذہب کا مسئلہ ہے - انھوں نے کہا کہ بھائی! نہ میں
مولوی نہ مولوی کی قسم مجھ سے اور مذہبی مسئلوں کے پوچھنے سے کیا واسطہ

کسی مولوی صاحب سے پوچھو۔ اسی شہر میں بہت مولوی ہیں یہاں
سے دس پندرہ کوس پہ نامی نامی قصبے ہیں، وہاں مولویوں کے ڈھیر کے
ڈھیر ہیں، وہاں جاکر پوچھو۔ نہیں حضرت! میں آپ ہی سے پوچھنا
چاہتا ہوں۔ آپ کا نام بھی تو مشہور ہے۔

ارے میاں! شیطان کا نام تو مجھ سے بھی زیادہ مشہور ہے۔

ابھی ویسی شہرت تو مجھ کو ہوئی بھی نہیں۔ میں نیچری مشہور ہوں۔
مولوی ملا نہیں ہوں مجھ سے مت پوچھو،

حضرت اگر مولوی ملاؤں سے دل کو تسکین ہوتی تو آپ تک کیوں
آتے؟ جب دل ہی کو تسکین نہ ہو تو مولوی ملاؤں کو کیا کریں؟ پھر آپ
نیچری ہوں یا نیچری بنے پوچھے تو دل مانتا نہیں، خدا کے واسطے بتا ہی دو۔
اچھا صاحب پوچھو کیا پوچھتے ہو۔ مگر میں کسی فتاوے وتاوے کو نہیں
جانتا۔ خدا کی کتاب اور خدا کے فتاوے کو جو سب کی آنکھوں کے سامنے
کھلا ہوا ہے جانتا ہوں، جو کہوں گا اسی سے کہونگا۔

بہت اچھا آپ اسی سے فرمائیے گا میں پوچھتا ہوں کہ آپ انشاءاللہ
کو جانتے ہیں؟ جی ہاں ہماری دلی کے رہنے والے بڑے شاعر تھے۔

حضرت! میں آپ سے انشاءاللہ خاں شاعر کا حال نہیں پوچھتا۔ انشاءاللہ
کے لفظ کی نسبت حکم شرع کا پوچھتا ہوں کہ کس مراد اور کس مطلب
سے اور کس مقام پہ اس لفظ کا استعمال ہوتا ہے؟

یہ کہو۔ ذرا مجھکو خدائی نشان دے تیجر بجھے لینے دو۔ اس میں تو یہ لکھا ہے کہ تم
ہر کسی کام کی نسبت یہ کہنا چاہئے کہ میں کل کر دوں گا۔ بلکہ یوں کہنا چاہئے
کہ اگر خدا نے چاہا تو میں کل کر دونگا۔ خدا بسبب علۃ العلل ہونے کے ہر
کام کو خواہ انسان کرے یا حیوان۔ اپنی طرف منسوب کرتا ہے۔ اس لئے
انسان کو بھی لازم ہے کہ ہر چیز کو خدا سے تعلق کرے۔ پس جب بات پر
انشاء اللہ کا لفظ کہا جاتا ہے۔ تو انشاء اللہ کے لفظ سے اس بات پر تعلیق
ہوتی ہے۔ اور وعدے کو زیادہ استحکام ہوتا ہے۔ سننے والے کو کامل
یقین ہو جاتا ہے۔ کہ وعدہ کرنے والے نے خدا پر اس وعدہ کی تعلیق
کی ہے۔ تو وہ ضرور اس کو پورا کریگا۔ اگر تم نے کسی سے وعدہ کیا کہ
میں کل تمہارے گھر آؤں گا۔ اور اس کے ساتھ انشاء اللہ نہیں کہا۔ اور
نہیں گئے تو صرف وعدہ خلافی کا گناہ ہوا۔ اور اگر اس کے ساتھ انشاء اللہ
بھی کہا۔ اور پھر نہ گئے تو تین گناہ ہوئے۔ ایک وعدہ خلافی کا دوسرا
اس بات کا کہ جس سے وعدہ کیا تھا اس کو وعدہ پورا کرنے کا زیادہ
یقین دلایا اور وعدہ پورا نہ کیا۔ تیسرا اس بات کا کہ خدا کو ضامن
دیا۔ اور اس کے نام کی عزت کا بھی کچھ ادب نہ کیا۔ اگر کسی بات پر
قسم کھا کر انشاء اللہ کہا ہو تو قسم توڑنے پر گناہ سے نہیں بچتے، بلکہ دگنا
گناہ ہوتا ہے۔ قسم توڑنے کا خدا کے ساتھ تعلق کر کے اس کا ادب نہ
کرنے کا، جب قسم کھائی کہ سچ کہوں گا اور ظاہر ہیں یا دل میں۔

انشاء اللہ کہہ لیا اور پھر جھوٹ بولے تو تین گناہ ہوئے۔ جھوٹ بولنے کا، قسم توڑنے کا، خدا پر تعلیق کرکے اس کا ادب نہ کرنے کا، جس بات کا وعدہ کیا جاتا ہے جب مصمم اور نہایت مضبوطی اور سچی نیت سے اس کے پورا کرنے کا ارادہ ہوتا ہے۔ اس وقت اس کے ساتھ انشاء اللہ کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے تم نے ایک مولوی سے کہا کہ میں تم کو انشاء اللہ دس روپے دونگا۔ تو اس کے یہ معنی ہوئے۔ ضرور و بے شک تم کو دس روپے دوں گا۔

حضرت! اپنے وعدہ کی نسبت تو مولوی بھی یہی کہتے ہیں کہ یہ وعدہ نفلی نہیں رہتا۔ بلکہ بحکم نصوص صریحہ مثل زکوٰۃ اور نذر معین کے واجب ہوتا ہے مگر اور جگہ کہتے ہیں کہ وہ وعدہ خلافی کا گناہ ہوتا ہے نہ قسم ٹوٹنے کا گناہ ہوتا ہے اور انشاء اللہ کو ایک سپر بناتے ہیں جو ہر ایک حربے سے بچا لیتی ہے۔

حضرت! خدا مارے یا چھوڑے ان لوگوں نے جو اسلام بنا رکھا ہے اگر وہی اسلام ہے تو میرا اسلام۔ اس سے تو میں یونہی اچھا۔

سید احمد خاں کے متکبر سے پوچھا کہ آپ — کس لئے سید سے صاف اے حضرت والا نہیں
کافر و ملحد ہمیشہ اسکو ٹھہراتے ہیں آپ — اور سلوک اسلام سے خود آپکا اچھا نہیں
سن کے فرمایا اگر سچ پوچھئے انصاف سے — بات یہ ہے کہ ان اوصاف سے کچھ پروا نہیں
رنج کچھ اسکا نہیں مجھکو کہ وہ ایسا کہیں — بلکہ ساری کوفت ہی اسکی کہ میں ویسا نہیں

(سر سید احمد خاں)

نقب زنی کا واقعہ

اگرچہ میں ایک بڑت دراز سے ڈاکٹر طاہر کو جانتا تھا۔ لیکن حال میں مجھکو اس کے اسرار زندگی سے واقفیت حاصل ہوئی ہے۔ مجکو معلوم تھا کہ وہ اپنے عالم شباب میں مختلف قسم کی زیادتیوں اور حماقتوں کا مرتکب ہو چکا ہے۔ تاہم مجکو اس امر کے سننے سے کچھ کم حیرت نہیں ہوئی کہ وہ ایک مرتبہ ایسے قعر ذلت میں ڈوبا تھا۔ جیسے کہ نقب زنی ہے۔ بغیر کسی مزید تمہید کے میں یہاں اس عجیب وغریب شخص کے قابل یادگار چال چلن کی ایک داستان بیان کرونگا۔

اس نے کہا، ہاں اُن دنوں مجھ پر سخت مصیبت تھی اور بالآخر میں ایک نقب زن بن گیا۔ جب شفیق نے تجویز کی کہ تم کو دو ڈاکٹروں ڈاکٹر حامد اور ڈاکٹر محمود کے الگ تھلگ مکانوں میں نقب لگانا چاہیئے۔ تو میں نے بلا تامل منظور کیا۔ دونوں ڈاکٹر اپنی علمی تحقیقات کے لئے نہایت مشہور ومعروف تھے۔ خصوصاً ان میں سے ایک نے اپنی ترالی اور بے قاعدہ باتوں کے لئے شہرت حاصل کی تھی۔

ہاں تو وہ شب جو ہمارے ارادہ کے عمل میں لانے کے لئے مقرر تھی آن پہونچی اور ہم بڑے استقلال کے ساتھ کام کرنے کو گئے کیس لئے تمام حالتیں نقب زنی کے موافق تھیں۔ رات نہایت اندھیری تھی۔

چاند اور ستارے روپوش تھے۔ اس کے علاوہ ایک زبردست مغربی
ہوا چل رہی تھی۔ جو ہمارا تہ دل سے خیر مقدم کر رہی تھی جس میں نسیم
کی آوازوں کے ڈوب جانے کی توقع کی جا سکتی تھی۔

صبح کے دو بجے ہوں گے جب ہم نے یہ سمجھ کر کہ اب ہر طرف خاموشی
ہی خاموشی ہے اپنا زینہ دیوار میں لگایا جس میں ایک زنجیر بندھی
ہوئی تھی۔ ہم نے مکان کی بائیں جانب کی اوّل منزل کی ایک
کھڑکی میں زینہ لگایا۔ پانچ منٹ سے کم میں ہم نے کھڑکی کھولی اور
سناٹا دیکھ کر شفیق اس کے اندر چڑھا۔ اور میں نے بھی اس کی پیروی
کی جھلملیوں کے باحتیاط بند کر لینے کے بعد ہم نے لالٹین روشن کی
اور اس وقت معلوم ہو کہ ہم ایک قسم کے کاٹ کباڑ والے کمرے میں
ہیں جس کا دروازہ مقفل تھا۔

تالا توڑنے کے بعد ہم نے ارادہ کیا کہ پہلے ان کمروں کو دیکھیں
جو نیچے واقع تھے۔ اور اس میں ہم نے یہ بات خیال کی کہ اس مکان
کے رہنے والوں کے جاگنے کا احتمال بہت کم ہے۔

جب ہم زینہ سے نیچے اترنے لگے تو ہم کو حیرت کے ساتھ یہ بات
معلوم ہوئی کہ اس مکان کے نیچے ایک کمرے میں کچھ روشنی ہو رہی ہے
اوّل اوّل تو ہم دونوں کا ارادہ ہوا کہ یہاں سے بھاگ کھڑے
ہوں۔ لیکن شفیق نے [illegible] تجویز کی کہ ہم کو زبردستی کمرے میں

داخل ہونا چاہئے۔ اور کمرے میں جو لوگ ہیں ان کی مشکیں کس لی جائیں
اور منہ بند کر لئے جائیں۔ اور اس کے بعد دھمکا کر ضرور باتیں دریافت کیجئے ہیں
تمبا اس بات پر رضامند ہوا کہ اس کو دروازہ تک جانا چاہئے۔
جب میں نے چاروں طرف احتیاط کے ساتھ روشنی گھمائی تو مجھکو معلوم
ہوا کہ فرش سے سات فٹ پر ایک تار لگا ہے جو ظاہرا اس دروازہ
میں گذرا تھا۔ جس میں ہم جانے والے تھے میں نے اپنے ساتھی کو اس
کی جانب اشارہ کیا۔ اس نے کہا کہ یہ تار کسی گھنٹی سے ملا ہوا ہے۔
میں نے سرگوشی کی اور اس کا جواب یہ دیا کہ ہم کو کوشش کرنا
چاہئے۔ مبادا تار کاٹنے سے شور غل پیدا ہو۔ اس لئے جب میں تار کے
قریب پہونچوں۔ اور اپنے دونوں ہاتوں سے مضبوط پکڑ لوں اس وقت
تم میرے ہاتھوں کے بیچ میں تار کاٹ دینا۔ اور اس طرح تار کا ہچکولا
کم نا اور گھنٹی کا بجنا رک جائیگا۔
لالٹین کو فرش پر رکھکر تار کو پکڑا۔ اور شفیق نے اپنی جیب
سے ایک قینچی نکالی۔ لیکن جیسے ہی میں نے اس کو مس کیا میں زمین پر
آ رہا۔ اور خنخناک تاروں کا ایک انبار مجھ پر گرا مجھے گھنٹی کا زور زور
بجنا بخوبی یاد ہے۔ اس اثنا میں شفیق جس کو میں نے پھر آج تک نہیں دیکھا
اس طرح غائب ہوا جیسے بجلی تاریکی میں غائب ہو جاتی ہے اور غالباً
اسی راستہ سے بچکر نکل گیا جس راستہ سے ہم لوگ آئے تھے۔ گرنے پر

بڑی مضبوطی کے ساتھ بند کر دیا گیا۔ آخر اس کے کیا معنی ہیں کیا مجھ پر کوئی حادثہ گزرا ہے۔ جس سے میرے افاقہ کے لئے جراحی عمل لازم آتا ہے۔ لیکن مجھے کسی ایسے حادثہ کی خبر نہ تھی اور نہ مجھکو کچھ الم واذیت ہی محسوس ہوتی تھی۔ تاہم ننگا میں اس میز پڑا ہوں اور میرے ہاتھ پاؤں بندھے ہوئے اور منہ میں کپڑا ٹھنسا ہوا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی غیر معمولی عمل مجھ پر ہونے والا ہے۔

مجھے اس بات سے کچھ کم حیرت نہ تھی کہ اس مکان میں چیر پھاڑ کا کمرا کیوں ہے۔ یہاں تک کہ مجھکو یاد آیا کہ ڈاکٹر مجید ضلع کا طبیب ہے۔ اس ضلع کے لئے لاشوں کے امتحان کرنے کا پابند ہے۔ اور اس قصبہ میں کوئی اور مکان اس قابل نہیں ہے۔ اب اس کی نسبت زیادہ غور کرنے سے مجھے سخت تکلیف ہوتی تھی مگر ایک مرتبہ اور رہائی کی کوشش کرنے کے بعد مجھکو فی الفور معلوم ہو گیا کہ میں اس کمرے میں تنہا نہیں ہوں کس لئے کہ میں نے کاغذ کے کھڑکھڑانے کی آواز سنی اور اس کے بعد کسی نے آہستہ اور تلی ہوئی آواز میں کہا۔

محمود صاحب مجکو پورا پورا اطمینان ہے کہ یہ آدمی بالتخصیص میرے نہایت اہم تجربہ کی کارروائی کے لئے نہایت موزوں ہوگا میں اس معاملے میں کس قدر عرصہ سے کوشش کر رہا ہوں اور بالآخر

آج رات میں اپنی تھیوری یعنی مسئلہ ذہنی کو ثابت کر سکوں گا۔
اس کے جواب میں مجھے ایک دوسری آواز معلوم ہوئی۔
جس نے کہا بے شبہ انسانی ہمدردی کے لیے یہ ایک بہت بڑی فتح
ہوگی۔ لیکن پیارے ڈاکٹر آپ خیال کریں کہ اگر یہ آدمی ہمارے
ہاتھوں سے ضائع ہو گیا تو پھر کیا ہوگا۔ اس کا جلد جواب یہ تھا۔ غیر
ممکن ہے۔ یہ کامیابی پر موقوف ہے اور بالفرض اگر یہ نہ ہوا تو
یہ سائنس کی غرض سے ایک جلیل القدر موت ہوگی اور اگر ہم نے
اس کو چھوڑ دیا۔ تو جلد یا بدیر پھانسی دینے والے کے ہاتھ پڑ جائیگا
اب تک میں ان دونوں آدمیوں کو نہیں دیکھ سکتا تھا
لیکن ان کی گفتگو اور بات چیت میری ہی نسبت تھی۔ اور میں اس
کو سنکر سر سے پاؤں تک کانپ اٹھا۔ یہ لوگ کسی خطرناک عمل
پر میرے لئے غور کر رہے تھے۔ جو میرے لئے بیفائدہ مگر علم طب کے
لئے مفید تھا۔ بہرحال میں نے خیال کیا کہ یہ کام وہ میری منظوری
بغیر نہ کریں گے۔ اور اس کے بعد ان کا کیا ارادہ تھا یہ کچھ نہ سمجھ
خوفناک ضرور تھا۔ کیونکہ ابھی انہوں نے میرے مر جانے
کا احتمال ظاہر کیا تھا۔ اس خوفناک امر کو سنکر مجھے بہت
[illegible] معلوم ہو گئی [illegible] کے بعد انہوں نے
[illegible] گفتگو شروع کی [illegible]

ایک مدت سے یہ بات تسلیم کی گئی ہے۔ کہ زندگی کا اصلی ذریعہ
خون ہے۔ میں جس امر کو ثابت کرنا چاہتا ہوں پیارے محمود وہ یہی
بات ہے۔ کوئی شخص شرے خون کی کمی سے نہیں مر سکتا تاہم اس
قسم کی وارداتیں اکثر اوقات وقوع میں آتی ہیں۔ لیکن اگر ہمارے
پاس ہر وقت وہ وسائل موجود رہیں گے جس سے اس نہایت ضروری
آب حیات کی تجدید ہو سکتی ہے تو ہم مہلک نتیجے سے محفوظ رہیں گے
ہم نے ایک آدمی کے حالات کچھ ایسے پڑھے ہیں۔ جس کا اس قدر خون
نکل گیا کہ اگر بعض رحم دل آدمی اپنا خون اس لئے نہ دیتے کہ ان کی شریانوں
سے مرنے والے کی شریانوں میں دوڑایا جائے۔ تو اس کا نتیجہ ناگزیر
ہلاکت تھی۔ جیسا کہ آپ واقف ہیں۔ اس کارروائی سے ہمیشہ مطلوبہ نتیجہ
پیدا ہوتا ہے تاہم میں اس کو ایک بہت بڑی غلطی خیال کرتا ہوں کہ ایک
ہم جنس کو ضروری خون سے محروم کر دوں کیونکہ اس طریقہ سے ایک شخص
کو دوسرے کی تصدیق پر جو ہمیشہ کے لئے اپنے تئیں معرض ہلاکت میں
ڈالتا ہے۔ ... زندگی اور طاقت حاصل ہو سکتی ہے

اچھی میں ان دونوں باتوں کو اچھا نہیں جانتا ہوں۔ ڈاکٹر
محمود نے جواب دیا علاوہ ازیں کبھی کبھی کوئی آدمی ایسی نازک حالت
میں پایا جائیگا جو دفعتاً ایک خطرناک نقصان خون کے لئے اپنی
آمادگی ظاہر کرے گا۔

یہ بہت صحیح ہے کہ کوئی شخص مطلق اس کو پسند نہ کرے گا دوسرے
نے جواب دیا۔ یہ شخص ٹھیک ہو گیا تو ہماری فتح کبھی زبردست فتح ہوگی
مجھے کامل یقین ہے اور میں اس کو دکھا دوں گا۔ پیارے دوست اگرچہ
ہم اس وقت اس آدمی کے خون پینے کی کوشش کر رہے ہیں حتیٰ کہ ایک قطرہ
خون بھی اس میں باقی نہ چھوڑیں گے۔ لیکن چند ہی گھنٹے میں ہم اس
کو پھر اچھا کر کے کھڑا کر دیں گے۔

اب ہمیں کوئی وجہ نہیں سمجھتا کہ ہم کو اس میں کامیابی
نہ ہو گی۔ بہر حال یہ ضروری ہے کہ ہم سائنس کے فائدہ کے لئے عملی طریقہ
سے اپنے مسئلہ ذہنی کا اتفاق اثبات کریں اور یہ کام ہم کیا تو فقط
شروع کیا چاہتے ہیں اس کو پھر ابتدا سے کا اعادہ کرنا چاہئے جس لئے کہ
ہم بغیر اس کے اس احتیاط اور ہوشیاری کے ساتھ کام نہیں کر سکتے ہیں
جس میں اس آدمی کی جان بچ جائے میں اس کی ران کی ایک شریان
کھولونگا۔ اور اس خون کا اندازہ کرونگا جو اس کے جسم سے برآمد ہوگا۔
اور اس حالت میں حرکت قلب کو بھی دیکھتا رہونگا معمولی حالتوں
میں تو اس کے بچنے کی کوئی توقع نہیں ہے۔ لیکن زندگی کے آخیر شرارہ
کے ٹھنڈے ہونے کے قبل ہم کوشش کریں گے کہ ایک زندہ خرگوش
کا گرم خون اس کی شریان میں داخل کیا جائے۔ جیسا کہ ہم نے
ابھی ابھی انتظام کیا ہے۔ اگر میرا مسئلہ ذہنی صحیح درست ہے تو

نبض کی رفتار رفتہ رفتہ دھیمی پڑتی جائے گی۔ اس حالت میں اس امر کی
اشد ضرورت ہے کہ اس کے اعضا برد اور تشنج سے محفوظ رکھے جائیں گے
جس کا وقوع شریانی خون کے نکل جانے کی وجہ سے ایک لازمی امر ہے
دونوں ڈاکٹروں کی اس گفتگو سے مجھ پر اس درجہ موت کا
خوف طاری ہوا کہ میں مشکل سے یقین کر سکا کہ میں عالمِ بیداری میں
ہوں اور کسی بے رحم کابوس کا شکار نہیں ہوا تاہم میں چیر پھاڑ کی
میز پر یوں ہی بے حس و حرکت پڑا ہوا تھا اور اس کی وجہ یہ تھی کہ
ایک قد آدم ڈھانچ کمرے کے ایک گوشہ میں کھڑی ہوئی تھی۔ اور
اس پر طرہ وہ خوفناک گفتگو تھی جس کو میں چپ چاپ سن رہا تھا
اس نے ایسا ایک خوف میرے دل میں بھر دیا تھا جس کا تجربہ پہلے
مجھ کو نہیں ہوا تھا بے اختیار مجھ کو یہ خیال ہوا کہ میں ان دو بیوقوف
ڈاکٹروں کے بس میں ہوں جن کے مجنونانہ مسئلہ ذہنی کا مجھے شکار
ہونا پڑے گا میں نے اپنے دل میں کہا کہ کوئی صحیح الدماغ ڈاکٹر کبھی ایسی
خوفناک قاتلانہ آزمائش ایک زندہ انسان کی نسبت تجویز کریگا
دونوں ڈاکٹر اب چیر پھاڑ کی میز کے قریب پہونچے۔
اور میرے بشرے کو بڑے غور سے دیکھا اس کے بعد مسکراتے ہوئے
اپنے کوٹوں کو اتارا اور اپنی آستینیں چڑھائیں۔ میں نے بھی ایک مرتبہ
اپنی آزادی کے لئے اسی طرح کوشش کی جیسی ایک مایوس آدمی

پیتھیٹک دنیا کو حیرت میں ڈالو گے ہیں اس کا کوئی جواب نہ دے سکا
نہ اور کوئی لفظ میری زبان سے نکل سکا۔ کہ اس وقت مجھ پر کیا گزر رہی
تھی میں نے اندر ہی اندر گرمی وزاری کی عاجزی کی۔ درد شدید نکل بچا تا رہا
اس عرصہ میں مجھے معلوم ہوا کہ میرا خون مایہ حیات بہہ رہا ہے اور ایک
ظرف میں جو ایک میز پر شیشے رکھا ہوا تھا۔ اس میں خون کے ٹپکنے
کی آواز معلوم ہوتی تھی منٹ منٹ پر ڈاکٹر میرے قلب پر ہاتھ رکھتا تھا
اور بیان کرتا جاتا تھا جس سے میرا خوف بڑھتا جاتا۔ اس نے کم سے کم
مجھ پر تین مرتبہ ہاتھ رکھا اور حرکت قلب دریافت کرنے کے بعد اس
نے اپنے اسسٹنٹ سے کہا۔

محمود کیا تم اپنا سامان لیس کر چکے ہو اس شخص کا کثیر التعداد
خون نکل چکا ہے۔ اور بتدریج نبض کمزور ہوتی جاتی ہے۔ دیکھئے وہ
بے ہوش ہو گیا ہے۔ ان الفاظ کے ساتھ ہی میرے منہ سے کپڑا نکال
لیا۔ ایک عجیب کمزوری اور تکلیف اس وقت مجھ پر طاری تھی۔ جب
یہ الفاظ ڈاکٹر نے اپنی زبان سے نکالے تھے اور بولنے کی کوشش کرنے
پر مجھکو معلوم ہوا کہ ایک سرگوشیانہ شکایت بمشکل تمام میرے لبوں تک
آئی اور ہر قسم کے شک میری آنکھوں کے سامنے پھرنے لگے اور
مجھے کو یقین ہو گیا کہ میری نجات انسانی امداد کی قدرت سے بالکل
خارج ہو گئی ہے۔

۳۱۰۵۶

آئندہ چند منٹوں میں کیا واقع ہوا مجھکو معلوم نہیں ہے کس لئے کہ
میں عالم بے ہوشی میں تھا جب میں نے اپنی آنکھیں کھولیں تو مجھکو معلوم
ہوا کہ اب میں اس قطع و برید والی میز پر نہیں ہوں بلکہ ایک آرام
چوکی پر ایک عمدہ کمرے میں بیٹھا ہوا ہوں جس کے قریب دو ڈاکٹر کھڑے
ہوئے مجھکو دیکھ رہے ہیں۔

میرے قریب وائن شراب کی ایک بوتل بہت سے سونگھنے
کے نمک اور سرد پانی کے کچھ برتن اسفنج اور ایک برقی بیٹری رکھی ہوئی
تھی اور اب یہ بالکل روز روشن تھا اور دونوں مجھکو دیکھ مسکرا رہے تھے

جب میں نے اس خوفناک آزمائش کو یاد کیا تو خوف کے مارے میرے
بدن کے رونگٹے کھڑے ہوگئے میں نے اٹھنے کی کوشش کی مگر اسقدر ضعف
آگیا تھا کہ پھر بے اختیار کرسی پر گر پڑا اس کے بعد ڈاکٹر ضلع نے دوستانہ
مگر زوردار آواز سے میری طرف خطاب کیا۔

نوجوان آدمی تم اپنے ہواس جمع کرو تم نے خیال کیا کہ بتدریج خون
نکلنے سے تم مرجاؤ گے۔ تاہم تم کو یقین کرنا چاہیئے کہ تمہارا ایک قطرہ خون
بھی تلف نہیں ہوا تم پر کوئی جراحی عمل نہیں ہوا لیکن صرف تم اپنے تخیلہ
کا ہدف بنے ہو تم کو معلوم ہے کہ تم نے ہماری گفتگو کا ہر ایک لفظ سنا ہے فی الواقع
تمہارے فریب دینے کے لئے بالقصد اور عمداً کی گئی تھی۔

ہماری دلیل یہ تھی کہ ایک آدمی کا جسم اس خیال کے باعث اثر میں

ہوتا ہے جسپر وہ بڑے وثوق کے ساتھ اعتقاد رکھتا ہے حالانکہ برعکس اس کے
میرے ساتھی کی رائے یہ تھی کہ جسم کو ان باتوں سے کوئی ضرر نہیں پہونچتا جو
اُسکے متخیلہ میں موجود ہوتی ہیں یہ مسئلہ ایک عرصہ دراز سے ہم لوگوں کے مابین
زیر بحث تھا جس کو ہمنے تمہاری گرفتاری کے بعد ہی حل کرنا چاہا تھا۔ پس ہم نے
تمکو اس قسم کی چیزوں کے حلقہ میں محصور کیا جو تمہارے متخیلہ پر اپنا اثر جمائیں
اور اس کو اپنی تقریر سے تقویت دی اور بالآخر ہمارا وہ یقین کہ ہم فی الواقع
کوئی جراحی عمل کرنے والے ہیں جسکو تمنے ہماری تقریر میں سنا اس فریب کے
تکمیل کا باعث ہوا۔

اب تمکو اطمینان ہونا چاہئے کہ تم ویسے ہی صحیح وسالم اور تندرست ہو جیسے
تھے اور درحالیکہ میں تمکو یقین دلاتا ہوں کہ تمنے درحقیقت وہ علامتیں ظاہر کیں
جو ایک آدمی کے خون نکلنے سے پیدا ہوتی ہیں۔ یہ اس امر کا کافی ثبوت ہے کہ جسم ان
نہایت ہی ناچیز غیر حقیقی باتوں سے متاثر ہو سکتا ہے جسکا خیال اسکے دل میں جاگزیں
ہوتا ہے جب مینے اپنے تئیں نہ تو مردہ اور نہ قریب مرگ پایا تو حیرت خوشی اور رشک
میرے دل میں باہم لڑنے لگے۔ اور اسکے بعد یہ دیکھکر میں دو ڈاکٹروں کی مصنوعی
اور بیہودہ اس آزمائش کا مطلع ہو گیا مجکو سخت غصہ آیا مگر ڈاکٹر جامسن نے فی الفور یہ
کہکر میرا غصہ ٹھنڈا کر دیا ہمکو درحقیقت تمپر آزمائش کرنیکا کوئی استحقاق نہیں ہے
لیکن امید ہے کہ تم ہمکو معاف کر دو گے اگر بعض سزاؤں سے ہمنے تمکو مخلصی دی یعنی یہ
کہ ضرور تھا کہ تم اس نقب زنی کے جرم میں پکڑے جاتے تمہاری تحقیقات ہوتی

اور ایک طولانی نتیجہ نکلتا ہے۔ اسمیں کوئی شک نہیں کہ تم ہماری بہت بڑی
شکایت کرسکتے ہو لیکن میرے اچھے دوست غور کرو کہ کیا یہ کارروائی تمہارے
لئے کچھ فائدہ بخش ہے میں تو ایسا نہیں خیال کرسکتا ہوں برخلاف اس کے
ہماری عین خواہش ہے کہ اس کرب اور تکلیف کیلئے جو تمنے برداشت کی ہے ایک
کافی معاوضہ دیں۔

ظاہر کہتے ہیں کہ اس صورت میں میں نے مناسب جانا کہ انکی تجویز کو
منظور کرلوں حالانکہ ابتک میں نے اس برتاؤ کے لئے ان دونوں آدمیوں
کو معاف نہیں کیا۔ ڈاکٹر نے اپنا قول پورا کیا انھوں نے مجھے ایک عمدہ تحفہ
دیا۔ اور دوسرے طریقہ سے انہوں نے اپنے بے انتہا تکلیف گوارا کی کہ میں اس
زمانہ میں ایک نہایت خوش قسمت آدمی ہوں اور مجھکو ایک بہترین انسان ہونے
کی توقع ہے لیکن اثنا میں اس گھڑی کو نہیں بھولا جب چیر پھاڑ کی میز پر پڑا
ہوا تھا۔ اور غیر مستقیم شکار ایک خوفناک آزمائش کا تھا۔ جو سائنس
کے لئے کی جاتی تھی۔ جیسا کہ ڈاکٹر ات ہم نے بیان کیا ہے۔

میرے دوست کی یہ عجیب و غریب کہانی ہے۔ اسکی موت نے جو حال
میں واقع ہوئی مجھکو اس وعدے سے سبکدوش کیا جو میں نے ایک ایسے
واقعہ کے اخفا کی نسبت کیا تھا۔ جس کو وہ باوجود اس کے کہ تیس سال
گزر چکے تھے بغیر لرزہ براندام ہوئے کبھی بیان نہیں کرسکا ہے۔

انوکھا چھانسا

آخری شاہ اودھ کے زمانے میں دہلی کے ایک شریف خاندان کے چشم و چراغ نے آوارہ وطن ہو کر لکھنؤ کا سفر کیا۔ ریل تو تھی نہیں بہلی پر سوار ہو کر ڈیڑھ مہینہ میں لکھنؤ پہنچنا نصیب ہوا۔ شہر کی آئینہ بندی دیکھ کر ہکا بکا ہو گیا۔ ایک قدیم رشتہ دار کی وساطت سے دربار شاہی دیکھنا نصیب ہوا۔ مردِ ہے نے کمال ادب سے نصف قد خمیدہ کر کے سلام کرایا اور کہا نیچی نظر کئے ہوئے مودب کھڑے رہو۔ منہ سے نہ بولنا نظر اٹھا کر نہ دیکھنا ہاتھ پاؤں نہ ہلانا حرکت نہ کرنا ہنسی نہ آئے کھنکھارنا نہیں ہونٹ نہ ہلانا اشارہ نہ کرنا ان تمام قیود نے ایسا متاثر کیا کہ غریب سارے جسم سے تھر تھر کانپنے لگا۔ اور عرض بیگی نے ہاتھ باندھ کر عرض کیا منشی قمر علی دہلوی حاضر ہے نگاہ روبرو۔

بادشاہ نے اشارہ ابرو سے سلام لیا اور منشی صاحب بیت الانشا کے منشیوں میں تیس روپیہ ماہوار کے منشی ہو گئے۔ اب حیثیت اور ہی اور ہو گئی معالیخاں کی سرائے میں زمین مول لے کر مکان بنوایا۔ اور اہل خانہ کو بھی لکھنؤ میں بلوا لیا۔ منشی صاحب بہت نیک طینت اور خوش اخلاق آدمی تھے۔ سارا محلہ خوش تھا۔ خوشنویس بے بدل تھے ایک لڑکا تھا۔ جو باپ کی طرح نیک اور خوش سلیقہ تھا۔

کچھ مدت کے بعد اسکی شادی ایک عزیز غریب کے یہاں جو انھیں کی طرح
آوارہ وطن تھے۔ اور کسی قدر آسودہ حال تھے ہو گئی۔ لڑکی بھی اپنے ماں
باپ کی اکلوتی تھی۔ اور نازوں کی پلی ہوئی تھی پھر امیر گھر کی بیٹی میاں۔
بیوی میں کچھ اچھی طرح میل نہ پٹی اور ان بن رہنے لگی۔ میاں چاہتے
تھے محنت مزدوری کرکے پیسا کماؤں اور بقدر ہمت ضعیف والدین کی
خدمت کروں۔ بیوی چاہتی تھی کہ میاں لباس پوشاک سے آراستہ ہیں
اور سارے گھر پر حکومت کریں۔ دن رات گھر میں پڑے پڑے مکا نکی اٹھیں بیٹھیں
میاں مہترانی تک کو جھک جھک سو سو دفعہ سلام کرتے تھے بیوی
نے عید بقرعید بھی ساس سسرے کو ہاتھ اٹھا کر سلام نہیں کیا۔ اور ان کو حقیر
سمجھ کر منھ نہ لگایا۔ تو بھلا دوسرا کیا چیز تھا۔ سسرال کی ہر چیز کو حقارت
کی نظر سے دیکھتی تھی۔ کوئی اچھے سے اچھا کپڑا خاطر میں نہ آتا تھا۔ ایک روز غریب
شوہر نے عید کی تقریب پر بیوی کیلئے اودی کرنٹ کے پاجامے کا کپڑا خرید
کیا اور خیال تھا کہ بیوی دیکھکر شاد شاد ہو جائیگی۔ بیوی نے دیکھکر کہا
اودی یہ کس کام کی کرنٹ ہے کیسی بدرنگ ہے۔ اور اس پر رنگ ایسا
گہرا ہے کہ بالکل سیاہ معلوم ہوتی ہے۔
میری ماں نے بھی ایک دفعہ ایسا ہی پاجامہ بنایا تھا۔ مجھے بھوٹے
دیدوں بھی نہ بھایا۔ آخر بسنتی کو دیدیا۔ میاں نے سنکر ایک آہ سرد بھری
اور دل میں کہا اگر ایسے ہی دماغ ہیں تو اس غریب گھر میں بسر ہونا مشکل ہے

جان پر کھیل کے بیوی کے واسطے دوسرا کپڑا اس کی پسند کا لایا اور بہت تکلیف سے پائجامہ ماں نے سی سلا کر تیار کیا لیکن بیوی بنّو کو عید کے دن وہ بھی پہننا نصیب نہ ہوا۔ کہنے لگی بہرس کے برس دن میں تو ایسی سردی میں سویرے سویرے نہیں نہا سکتی اگر پائجامہ دو چار دن پہلے سے تیار ہو گیا ہوتا۔ تو ایک دن پہلے نہا کر بدل لیتی۔ اس کے علاوہ مجھے کچھ عید پر نئے کپڑے بدلنے کی خوشی نہیں اور نہ ترسی بلکی ہوں۔ کہ اچھے اچھے کپڑے دیکھکر رال ٹپک پڑے۔ وہ نگورہ پائجامہ ہے کیا میں نے اس سے اچھے اچھے کپڑے پہن کر پھاڑ ڈالے ہیں۔

ماں باپ کے خوف سے غریب مہر علی یہ سب نکتوڑے اٹھایا کیا۔ اور ایسی ایسی باتوں پر خاک ڈالتا رہا۔ لیکن وہ سمجھتا تھا یہ سب نخرے مجھ سے نہ اٹھیں گے شادی کو دس برس ہو گئے۔ ماں باپ نے انتقال کیا۔ اور میاں مہر علی یکہ و تنہا بیک بینی دو گوش ہیں۔ اور وہی بدمزاج بیوی ہے۔ بیوی کے سر سب کام آ پڑا۔ اور اس سے امید مہر علی کو نہ تھی۔ اس لئے اس نے ایک ماما نوکر رکھی جو اس کو وقت پر کھانا پکا دیا کرے۔ مگر اس پر بھی کوئی دن کمبخت ایسا نہ ہوتا تھا جس میں میاں بیوی میں دو چار مرتبہ تھائیں تھائیں نہ ہوتی ہو۔ اور بیوی لڑ جھگڑ کر میکے نہ چلی جاتی ہوں۔ اس پر خرچ کی وہ زیادتی کہ توبہ ہی بھلی تھی آخر مکان رہن ہو گیا۔ جب وہ روپیہ بھی صرف ہو گیا۔ تو میاں

بیوی میں جوتی پیزار بٹنے لگی۔ بیوی اٹھکر اپنے میکے چلی گئیں۔ اور میاں بھی کچھ ایسے عاجز آگئے تھے۔ کہ گھر کی ماما کو جواب دے کر اور اپنا اسباب خانگی فروخت کر کے حیدر آباد پہنچے۔ یہاں وکالت کا کام خوب چل نکلا ایک نیک مزاج عورت سے شادی ہوگئی۔ اور زندگی عیش سے گذرنے لگی

ایک روز موسیٰ ندی میں ایک یورپین لڑکا نہایت حسین گر پڑا اور ڈبکیاں کھا رہا تھا۔ جم غفیر تھا لیکن کسی کی ہمت یہ نہیں ہوتی کہ کود کر نوجوان کی جان بچائے۔ اتفاق سے یہ بھی اس طرف آنکلے۔ اور لڑکے کو ڈوبتا دیکھکر انسانی ہمدردی کے لحاظ سے آپ بھی دھڑام سے کود پڑے۔ ڈوبتے کو تنکے کا سہارا بہت ہوتا ہے۔ لڑکے نے ایک رفیق پایا۔ تو وہ ایسا بدحواس ہوکر لپٹا کہ قریب تھا دونوں آدمی ڈوبنے لگے۔ مگر یہ بھی پیراک تھے انھوں نے اپنے حواس قائم رکھے۔ سارے تماشائی دعا مانگ رہے تھے خدا نے قبول کر لی۔ لڑکا کمر سے لپٹا ہوا تھا۔ اور وہ آہستہ آہستہ کنارے پہ آرہے تھے۔ خدا خدا کرکے دونوں نے نجات پائی اور تمام لوگ خوش ہوئے۔

ایک روز ایک اخبار کے ایڈیٹر صاحب بھی اس بھیڑ میں تماشا دیکھ رہے تھے۔ لوگوں سے حضرت کا نام نامی دریافت کیا۔ ایک صاحب نے کہا آپ ان کو نہیں جانتے منشی ...علی صاحب وکیل دہلوی ہیں۔ آج ہندوستان میں کافی شہرت رکھتے ہیں۔ بہت نیک اور شریف آدمی ہیں۔

ایڈیٹر نے فوراً اسکا فوٹو لے لیا۔ اور دوسرے دن کچھ مزید حالات معلوم
کرکے نہایت چٹپٹی عبارت کے ساتھ اس خبر کو شایع کیا۔ اور منشی مہر علی
کی تصویر بھی شائع کردی۔ اخبار ہاتھوں ہاتھ فروخت ہوا۔ منشی مہر علی
نے بھی دیکھا۔ اور بدحواسی میں اٹھے ہوئے اپنے ایک دوست ڈپٹی صاحب
کے پاس گئے۔ اور ان سے کہنے لگے۔ خدا کے واسطے میری مدد کرو۔ میں ایک
بلا میں گرفتار ہوگیا ہوں۔ اب کیا ہوگا۔ بات یہ ہے۔ کہ کل کا اخبار تو آپ
نے ملاحظہ فرمایا ہوگا۔ اس کمبخت نے میری تصویر بھی چھاپ دی۔ اور
اور میرے خاندانی حالات لکھدئے۔

لکھنؤ میں میرے خاندان کی ایک بیوی تھی۔ نہایت بدمزاج
بدبخت فسادن فتنہ انگیز بلائے بد میں اس کے ہاتھ سے بہت نالاں تھا
آخر اس کمبخت کے ہاتھ سے لکھنؤ چھوڑ کر حیدرآباد چلا آیا۔ اور آج تک
کسی دوست آشنا کو کوئی خط نہ لکھا۔ پہلے میرے خسر نے ایک اعلان شائع
کیا تھا۔ کہ ہمارا عزیز اس صورت کا گم ہوگیا ہے۔ جو کوئی پتہ لگا دیگا۔
پانچسو روپیہ انعام دئے جائیں گے۔ میں نے کچھ دنوں بعد یہ چالاکی کی
کہ ایک دوست کی معرفت ان کو خط بھیجدیا۔ کہ اس آدمی کا انتقال
ہوگیا۔ وہ لوگ رو پیٹ کر خاموش ہوگئے۔ اب اس خبر کے مشہور
ہونے سے مجھے اندیشہ ہے۔ کہ کہیں میری پہلی عورت آئی تو میری عزت
خاک میں مل جائے۔ اور گھر بھی برباد ہو اس میں کوئی صلاح بتائیے۔

ڈپٹی صاحب نے کہا اچھا آپ کی اس امر میں مدد کروں گا۔ اسٹیشن ماسٹر میرا دوست ہے میں ان سے کہہ دوں گا۔ کہ اگر لکھنؤ سے کوئی مسافر زنانی سواری کے ساتھ آئے تو مجھے اطلاع دے۔

سہ پہر کا وقت ہے ڈپٹی صاحب کی گاڑی اسٹیشن پر کھڑی ہے اور ڈپٹی صاحب نے کچھ اسٹیشن ماسٹر سے کہا۔ وہ جب سب سن چکے تو کہنے لگے۔ اس میں کچھ دال میں کالا معلوم ہوتا ہے۔ مجھ سے صاف صاف حال کہو تو رسائی ممکن ہے۔ ورنہ ادھوری بات سے میری تشفی نہیں ہوتی اور مجبور ہو کر مجھے آپ کے بیان کی پولیس میں رپوٹ کرنا ہوگی۔ ڈپٹی صاحب نے جب اسٹیشن ماسٹر کے تیور بدلے ہوئے دیکھے۔ تو کہا معاذ اللہ میں تمھیں ایسا بدظن نہیں سمجھتا تھا۔ تم نے آج برسوں کی ملاقات کو خاک میں ملا دیا۔ لو سن لو میرے ایک دوست کا راز ہے۔ تم جانتے ہو کہ منشی مہر علی صاحب وکیل میرے ایک دوست ہیں۔ وہ اپنے گھر سے روپوش ہو کر یہاں چلے آئے۔ اس کو ایک مدت دراز ہوئی۔ اور آج تک لوگوں کو یہ بھی نہیں معلوم تھا کہ وہ زندہ ہیں۔ لیکن ایک ڈوبتے ہوئے یورپین لڑکے کی جان بچانے کے صلے میں ایک انگریزی اخبار نے بغیر اطلاع ان کا فوٹو شائع کر دیا۔ جس سے ان کو یہ خوف ہے کہ کہیں ان کی پہلی بیوی صاحبہ ان کی جان پر نازل نہ ہو جائیں۔ اسٹیشن ماسٹر صاحب نے فرمایا اچھا آپ اطمینان رکھیں۔ میں آپ کا حکم بجا

بجالاؤں گا۔ اور جب ایسا موقع ہوگا۔ براہ راست منشی صاحب کو اطلاع دوں گا۔

ایک دن نو بجے دن کو اسٹیشن ماسٹر نے ایک خط میں لکھا۔ تو بجے کی ٹرین سے ایک عورت لکھنؤ کے فلاں محلہ سے آئی ہے اور تمہارا مکان دریافت کر رہی ہے ذرا ہوشیار ہو جاؤ۔ منشی صاحب دیکھتے ہی سکتے کے عالم میں ہو گئے اور فوراً اٹھ کر اپنی بیوی سے سارا قصہ گڑگڑا کر بیان کیا۔ اور کہا کہ میں چادر اوڑھ کر چارپائی پر دراز ہوتا ہوں تم کہنا کہ میں ان کی دور کی عزیز ہوں وہ تو آج مر گئے۔ صرف تجہیز و تکفین کے لئے آئی ہوں۔ کچھ دیر کے بعد ایک بگھی آئی اور ایک جوان عورت گھر میں اُتری۔ اور پوچھنے لگی منشی مہر علی صاحب کہاں ہیں۔ بیوی نے نہایت آبدیدہ ہو کر کہا وہ آج رات کو خدا کے ہاں سدھار گئے ان کا یہاں کوئی عزیز نہ تھا۔ مجھ سے دور کی عزیز داری تھی اس لئے تجہیز و تکفین کی غرض سے آئی ہوں۔ عورت نے کہا ہے ہے یہ کیا ہو گیا لوگو ذرا مجھے لاش تو دکھا دو۔ ایک بند کمرے میں لاش رکھی تھی۔ عورت کو لے گئے اور اندھیرے کے سبب سے اس نے ایک چراغ جلا کر میاں کا منہ دیکھا اور خوب روتی پیٹی اس کے بعد اس نے آنسو پوچھ کر اور صرف زیور کا صندوقچہ لے کر باقی اسباب میں قفل لگا کر کہا اچھا۔ ٹھہرو میرے دو چار عزیز بھی آئے ہوئے ہیں جو ایک مکان میں رہتے ہیں

یہ اسباب دے کر ابھی آتی ہوں۔ اور میں خود ان کی تجہیز و تکفین کر دوں گی۔ یہ کہکر وہ صندوقچہ لے کر رفوچکر ہوئی۔

میاں کو کچھ شک گذرا کہا تم نے یہ کیا غضب کیا میں تو کمرے میں تھا۔ مجھے اس کی کیا خبر تھی۔ کہ وہ اسباب بھی سمیٹ رہی ہے تم نے مجھے اطلاع کیوں نہ دی۔ یہ میری بیوی ہرگز نہ تھی۔ کوئی بدمعاش عورت تھی۔ مجھے اس کی آواز پر شک ہوا تھا۔ مگر جیسا تم مردہ کہہ چکی تھیں تو کیونکر شک کی حالت میں بول سکتا تھا۔ جب دن بھر دوبارہ وہ عورت واپس نہ آئی تو منشی صاحب کو یقین ہو گیا کہ واقعی وہ میری بیوی نہ تھی اور اسٹیشن ماسٹر نے فریب سے میرا سارا گھر مسوا لیا۔ دو تین روز تک میاں بیوی میں چیخ چلا کی ایک کو ایک بیوقوف بناتا تھا۔ منشی صاحب اور ڈپٹی صاحب نے سارا شہر چھان مارا عورت کا کہیں پتہ نہ لگا۔ ایک ٹکٹ کلکٹر سے معلوم ہوا کہ اس دن لکھنؤ سے کوئی آدمی نہیں آیا تھا۔ ہو نہ ہو یہ اسٹیشن ماسٹر کی بدمعاشی ہے۔ وہ ہمیشہ اپنے دوستوں کو دل دیا کرتا ہے۔ اور اس دغابازی سے اس کی معقول آمدنی ہے۔ آخر منشی صاحب صبر و شکر کر کے بیٹھ رہے۔

پیٹو دولتمند

ملک اطالیہ کے کسی شہر میں ایک امیر رہتا تھا۔ بہت بڑا دولتمند
نہ کبھی اس کو چلنے پھرنے سے کام تھا نہ ہاتھ پیر ہلاتے سے سروکار تمام دن
کھانے پینے کا فکر تھا۔ اور تمام رات اسی کا ذکر۔ جب صبح کو بچھونے پر
سے اٹھتا۔ تو سوچنے لگتا۔ کہ آج ناشتے کے لئے کون کون سے کھانے
پکوائیے۔ اور حاضری کے لئے کن کن چیزوں کا حکم دیجئے۔ تعجب نہیں
کہ خواب میں بھی اس کو یہی خیال رہتا ہوگا۔ اگرچہ اس ملک میں اچھی
سے اچھی چیزیں بنتی تھیں۔ مگر پھر بھی اس نے فرانس اور اسپین میں
گماشتے مقرر کر رکھے تھے۔ کہ ہمیشہ وہاں سے قسم قسم کے مفرح عرق بھیجا
کریں۔ اور سمندر کنارہ پر کوئی ایسا شہر نہ تھا کہ جہاں بڑے بڑے
سوداگروں سے ہر طرح کی مچھلیاں بھیجنے کے لئے اس کی آڑت نہ ہو
جتنے ماہی گیر اور مچھلیاں بیچنے والے شہر میں تھے۔ ان سے اقرار نامے
لکھوا لئے تھے۔ کہ جو چیز اچھی سے اچھی ہو وہ پہلے اس کو بھیج دیا کریں
میوے اور مٹھائیوں کی خریداری کے لئے ایک شخص کو مقرر کر دیا تھا کہ
ہمیشہ وہ اسی کام میں لگا رہتا تھا۔ شہر میں جتنے نامور باورچی اور
بھٹیارے تھے۔ سب اس کی سرکار سے تنخواہ پاتے تھے۔ غرض وہ
امیر جب صبح کے ناشتے سے فراغت پاتا۔ تو اپنے کمتب خانے میں جاکے

ایک بڑی سی آرام کرسی پر تکیہ لگا کر بیٹھ جاتا۔ کتابوں کا پڑھنا تو درکنار ان کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھتا۔ اگرچہ سینکڑوں کتابیں انواع واقسام کے علم وفن کی اس کے پاس موجود تھیں۔ لیکن کرسی پر دراز ہوتے ہی خانساماں حکم کے موافق دو نوکروں کے ہاتھ میں بڑے بڑے دو چاندی کے خوانچے لوا کے لاتا۔ اس میں طرح طرح کی چٹنیاں مربے اور اچار کی پیالیاں ہوتیں۔ وہ ایک ایک ٹکڑا روٹی کا ہر ایک میں ڈبو ڈبو کر نہایت سنجیدگی سے منہ میں رکھتا جاتا اور خانساماں کو حکم دیتا جاتا کہ اس چٹنی کو دوپہر کی حاضری میں رکھنا۔ اس مربے کو شام کے کھانے میں لانا۔ اور اس اچار کو کل صبح کے ناشتے میں دینا۔ غرض کوئی بادشاہ اپنی سلطنت کا کام اس توجہ اور دلدہی سے نہ کرتا ہوگا۔ جیسے وہ اپنے کھانے پینے کا بند وبست کیا کرتا تھا۔ جب اس ضروری کام سے فارغ ہو چکتا تو تھک کر آرام کرنے کے لئے پلنگ پر لیٹ جاتا۔ اور حاضری کی گھڑیاں گنا کرتا جب خدا خدا کر کے وہ دلچسپ وقت آتا تو مارے خوشی کے اس کی باچھیں کھل جاتیں۔ اور آپ بڑی شان وشوکت کے ساتھ کھانے کے کمرے میں تشریف لاتے۔ میز پر اس قدر طرح طرح کی نعمتیں اور قسم قسم کی چیزیں چنی جاتیں۔ کہ جنکی گنتی نہیں ہو سکتی۔ مگر وہ ڈاکو سب کی سب چٹ کر جاتا۔ کچھ باقی نہیں رکھتا۔ یہاں تک کہ آخیر میں رکابی اور پیالے چاٹنے تک کی نوبت آجاتی۔ تعجب یہ ہے کہ باوجود اس قدر کھانے کے اس

کی طبیعت سیر نہیں ہوتی تھی۔ آخر مجبور ہاتھ کھینچ کر رہ جاتا۔ اور پھر دوسرے وقت کے کھانے کا فکر شروع ہوتا۔ الغرض وہ اس عادت سے رفتہ رفتہ اس قدر موٹا ہوتا چلا گیا۔ کہ چلنے پھرنے کی عادت نہ رہی۔ توند پھولکر مشک بن گئی۔ منھ سوج کے کپا ہوگیا۔ اور پاؤں سوج کر کھم ہو گئے۔ لیکن پھر بھی بدن کا۔ بوجھ اس قدر بھاری تھا۔ کہ وہ سنبھال نہیں سکتے تھے۔ اس کے ساتھ ہمیشہ تمام اعضا میں درد اور بدہضمی کی شکایت رہنے لگی۔ غرض ہوتے ہوتے جب بادی نے خوب زور کیا۔ اور تمام اعضا بالکل بیکار ہو گئے۔ اور بچھونے پر سے اٹھنا مشکل ہوگیا۔ تو ایک ڈاکٹر کو بلا دیا۔ اور اس کو اپنی بیماری کا تمام حال سنایا۔ وہ ڈاکٹر بڑا ہوشیار تھا۔ اس نے ایسے ایسے نادر علاج کئے تھے کہ جن سے انسان کو تعجب ہو۔

دولتمند۔ ڈاکٹر صاحب! دیکھئے میری کیا حالت ہوگئی۔

ڈاکٹر۔ جی ہاں معلوم ہوتا ہے۔ کہ شاید آپ نے بے اعتدالیوں کی وجہ سے اپنی یہ حالت کر لی ہے۔

دولتمند۔ سب بے اعتدالیاں تو ضرور مجھ سے ہوئیں۔ کیونکہ مجھ کو کھانے پینے کا بڑا شوق ہے۔ لیکن اس کے ساتھ میں یہ بھی کہہ سکتا ہوں کہ عمر بھر میں کبھی شراب پی کے بدمست نہیں ہوا۔

ڈاکٹر۔ تو شاید آپ سوتے زیادہ ہونگے۔

دولتمند۔ کل بارہ گھنٹے رات بھر میں لوٹتا پوٹتا رہتا ہوں۔ لیکن مطلق

نیند نہیں آتی ہمیشہ چھاتی جلتی رہتی ہے۔ ادھر آنکھ بند ہوئی ادھر مارے
درد کے کھل گئی صبح کی ٹھنڈی ہوا کی مجھ سے برداشت نہیں ہو سکتی اس
لیئے دن چڑھے تک پلنگ پر پڑا رہتا ہوں۔

ڈاکٹر۔ تعجب ہے کہ رات بھر آپ کی آنکھ نہیں لگتی۔ اور پھر بھی آپ اب
تک جیتے ہیں۔

دولتمند۔ آپ کا فرمانا بالکل بجا ہے۔ کیونکہ اگر میں دن کو تھوڑا بہت
سو لیا نہ کرتا تو اب تک جیتا نہ رہتا۔

ڈاکٹر۔ شاید چلنا پھرنا بھی آپ کا بہت کم ہوتا ہے۔

دولتمند۔ (ایک آہ بھر کے) جس زمانہ میں مجھ میں طاقت تھی۔ ہفتے میں
ایک آدھ وقت گاڑی میں سوار ہو کے ہوا کھانے جایا کرتا تھا۔ لیکن اب
تو یہ حالت ہو گئی ہے۔ کہ جہاں ذرا سی حرکت کی اور تمام اعضا چور چور ہو گئے

ڈاکٹر۔ مجھکو آپ کی بیماری کا نہایت فکر ہے کیونکہ میں دیکھتا ہوں۔ کہ
آثار کچھ اچھے نہیں۔ لیکن ابھی امید باقی ہے۔ اگر آپ کھانا اور سونا کم
کر دیں۔ تو یقین ہے۔ کہ تھوڑے ہی دنوں میں فائدہ معلوم ہونے لگیگا۔

دولتمند۔ معلوم ہوتا ہے کہ شاید آپ کو میری ناطاقتی کی پوری پوری
تشخیص نہیں ہوئی۔ ورنہ کبھی آپ ایسا نہ فرماتے۔ اگر آپ کے کہنے کے
موافق میں کھانا کم کر دوں تو یقین ہے۔ کہ پھر میری زندگی بیکار ہو جائیگی۔
کیونکہ جب میں صبح کو اٹھتا ہوں۔ تو جسم میں بالکل طاقت کا نام نہیں پاتا

ڈکاریں آتی ہیں۔ سر میں اور پیٹ میں درد محسوس ہوتا ہے جب کچھ تھوڑا سا
شوربا پی لیتا ہوں تو دو آدمیوں کے تھامنے سے اٹھ کر پلنگ پر بیٹھ سکتا
ہوں۔ مجھ کو آپ کا پورا پورا اعتقاد ہے۔ جو کچھ دوا دیجئے گا خواہ وہ سفوف ہو
یا شربت میں نہایت خوشی سے پی لیا کروں گا۔ لیکن قلت غذا تو امکان سے باہر ہے
ڈاکٹر۔ جناب آپ اچھا بھی ہونا چاہتے ہیں۔ اور پھر اچھے ہونے کی تدبیر سے
دور بھی بھاگتے ہیں۔ بھلا یہ تو خیال فرمایئے عمر بھر کی بے اعتدالیاں کہیں
تھوڑے سے سفوف کی پڑیوں یا چند شربت کی بوتلوں سے دور ہو سکتی
ہیں؟ ہرگز نہیں۔ خیر اگر آپ میری صلاح نہیں مانتے تو میں مجبور ہوں۔
زیادہ اصرار نہیں کر سکتا۔ لیکن آپ کو جتائے دیتا ہوں کہ یہ بیماری بڑی
خراب ہے۔ ہرگز دوا کے قابل نہیں۔ اس کا دور ہونا اسی وقت ہو سکتا
ہے۔ کہ جب آپ خود اس کی پیروی کریں گے۔

دولتمند۔ (دل میں) عجب بے رحم اور سخت دل ڈاکٹر ہے۔ کہ عین نوجوانی
میں میری زندگی سے ناامید ہوا جاتا ہے۔ (پھر ڈاکٹر سے مخاطب ہو کر) کیا
حقیقت میں آپ میرا علاج نہیں کریں گے۔

ڈاکٹر۔ علاج کرنے کے لئے تو میں حاضر ہوں۔ جو کچھ میری تشخیص میں آیا
آپ سے عرض کر دیا۔ لیکن آپ قبول نہیں کرتے اس لئے مجبور ہوں اچھا
میری بات کا آپ کو یقین نہ آتا ہو۔ تو ایک کام کیجئے۔ پڑوا کے شہر میں جو
نزدیک ہی ہے۔ میرا ایک دوست ڈاکٹر رہونی رہتا ہے وہ طبابت

کے فن میں بہت مشہور ہے۔ اور خدا نے اس کے ہاتھ میں شفا بھی دی ہے خصوصاً
اس مرض کے دوا کرنے میں اس کو بڑی مشق ہو گئی ہے۔ مگر اس کی عادت
ہے کہ وہ کبھی بیمار کے گھر پر نہیں جاتا۔ چاہے بادشاہ ہو یا غریب اگر آپ کو
اس کا علاج کرنا منظور ہو۔ تو میں البتہ سفارش کی چھٹی اُسکے نام لکھ سکتا ہوں
اس دولتمند کو تو ایک کمرے سے دوسرے کمرے تک جانا دشوار
تھا۔ علاج کے واسطے سفر کب گوارا ہو سکتا تھا۔ سن کر خاموش ہو گیا۔
اور فیس دے کر ڈاکٹر کو رخصت کر دیا۔ آخر رفتہ رفتہ جب بیماری بہت بڑھ
گئی۔ اور کوئی صورت شفا یابی کی نہ رہی۔ تو تنگ آکر پڈوا جانے کی تیاری کی
اور ڈاکٹر سے سفارش کی چھٹی منگوائی۔ اگرچہ وہ شہر وہاں سے کل ایک دن
کے راستے پر تھا۔ لیکن اس نے آہستہ آہستہ چار دن میں اس کو طے کیا۔ چھکڑوں
پر کھانے پینے کی انواع و اقسام کی چیزیں لدی ہوئی تھیں اور دو باورچی
ساتھ تھے۔ کہ راستہ میں کسی طرح کی تکلیف نہ ہونے پائے۔ جب خدا خدا کرکے
ڈاکٹر موزنی کے دروازہ پر پہنچا، تو پانچ سات آدمیوں کے سہارے سے
بڑی خرابی کے ساتھ گاڑی سے باہر نکل کے مکان کے اندر داخل ہوا
وہاں کیا دیکھتا ہے۔ کہ ایک بڑے دالان میں کوئی بیس پچیس مریضوں
کے ساتھ ڈاکٹر دستر خوان پہ بیٹھا ہوا ہے۔ اور اسرار کر کرکے انھیں
کھانا کھلا رہا ہے۔ ایک سے کہتا ہے کہ جب تک تم اور دو تین روٹی کے
ٹکڑے اس مونگ کی دال کے ساتھ نہ کھاؤ گے تمہارا بخار نہیں جانیکا

اسی طرح دوسرے سے کہتا ہے۔ کہ یہ بھرا ہوا شوربے کا گلاس سارا پی جاؤ
ابھی یہ انگلستان سے آیا ہے۔ اور خاص تمہاری بیماری کی دوا ہے۔ اگر خدا
نے چاہا۔ تو اسی سے تمہاری بیماری دور ہو جائیگی۔ کبھی تیسرے کی طرف
مخاطب ہوتا ہے کہ اگر تم چاہتے ہو۔ کہ تمہارا لڑکا جلد اچھا ہو جائے۔ تو
اس کو خوب مچھلیاں کھلاؤ۔ ہرگز اس میں کمی نہ کرو۔

یہ باتیں سنکر دولتمند اپنے دل میں بہت ہی خوش ہوا۔ اور خدا
کا شکر بجا لا کر کہنے لگا۔ کہ بارے یہ ڈاکٹر بڑا سمجھدار معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ
بیمار کے ساتھ بڑی شفقت اور مہربانی سے پیش آتا ہے۔ اور انہیں مصر
ہو ہو کر انواع و اقسام کی چیزیں کھلاتا ہے۔ اب پورا یقین ہو گیا کہ یہ اس
بیوقوف کی طرح جس کے پنجے سے مجھے میری قسمت نے چھڑا لیا۔ صرف روٹی
اور پانی پر ہرگز نہیں رکھیگا۔ اور نہ ایسا پرہیز بتائے گا کہ جس سے جان
عذاب میں پڑ جائے۔

جب وہ لوگ سب اچھی طرح سے کھا پی کر ڈاکٹر کو دعائیں دیتے
ہوئے رخصت ہو گئے۔ تو وہ موذی اٹھ کر اس دولتمند کے پاس آیا
اور بڑی خاطر داری کے بعد اس کی خیر و عافیت پوچھی۔ اور کہا کہ میرے
فاضل دوست نے آپ کی بیماری کا تمام حال اپنی چٹھی میں لکھ دیا ہے
بیان کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اگرچہ آپ کی بیماری بہت سخت ہے
لیکن خدا کا شکر ہے۔ کہ اب تک امید باقی ہے اگر آپ پرہیز میرا [illegible]

کرنا چاہتے ہیں تو اپنے تمام نوکروں کو رخصت کر دیجئے۔ اور پھر اس بات
کا پورا پورا اقرار کیجئے کہ کامل ایک مہینہ تک جس طرح سے میں کہوں اسی
طرح سے رہیگا۔ اور کسی بات میں دخل نہ دیجئے گا۔ اگر یہ شرطیں آپ
کو منظور ہوں۔ تو بسم اللہ میں علاج کرنے کے لئے حاضر ہوں نہیں تو میں
صاف کہے دیتا ہوں کہ اگر آپ ہفت اقلیم کے بادشاہ بھی ہوں تو میں
علاج نہیں کرونگا۔

دولتمند۔ ڈاکٹر صاحب اگر آپ کے عوض دوسرا کوئی شخص ہوتا تو میں
ہرگز اس سے یہ قول نہیں ہارتا۔ لیکن آپ سے اقرار کرنے میں کوئی عذر
نہیں کیونکہ میں نے اپنی آنکھوں سے آپ کے علاج کا طریقہ دیکھ لیا ہے۔
میرے دل کو پوری پوری تسلی ہو گئی۔ آپ جسطرح سے کہئے میں موجود ہوں

ڈاکٹر۔ جناب میں نے تو صاف صاف کہہ دیا اب چاہے علاج کیجئے چاہے
نہ کیجئے۔ آپ کو اختیار ہے لیکن یہ بات یاد رکھئے۔ کہ میرا طریقہ بازاری ڈاکٹروں
کا سا نہیں۔ کہ اپنے فائدے کے واسطے بیمار کی دلداری کروں۔ اور مفت
میں اس کی جان لوں۔ جب تک مجھ کو پورا یقین بیمار کی صحت کا نہیں ہو
لیتا۔ ہرگز دوا نہیں دیتا۔ کیونکہ اس میں مجھ کو اپنی بدنامی کا ڈر ہے اس
لئے مریض کو بھی چاہیئے۔ کہ برابر میرا حکم مانے اور کچھ اس سے تجاوز نہ کرے۔

دولتمند۔ بیشک آپ کا فرمانا بہت بجا اور درست ہے۔ میں نے آپ کے
علاج کا طریقہ دیکھ لیا ہے۔ حقیقت میں آپ جیسے تجربہ کار حاذق ڈاکٹر بہت

میرا اعتقاد آپ پر جم گیا ہے۔ جس طرح کہئے گا۔ اسی طرح عمل کروں گا۔

یہ کہہ کر دولت مند نے اپنے نوکروں کو رخصت کر دیا۔ اور تاکید کر دی کہ پورے ایک مہینے کے بعد تم سب میرے پاس چلے آنا۔ جب وہ سب رخصت ہو گئے تو رموزی نے پوچھا۔ کہ راستے میں کہیں آپ کو کچھ تکلیف تو نہیں ہوئی

دولتمند۔ نہیں کچھ تکلیف نہیں ہوئی۔ بڑی راحت سے یہاں تک چلا آیا ہرگز امید نہ تھی۔ کہ یہ سفر اس آرام سے طے ہوگا۔ لیکن اس وقت مجھکو بہت بھوک لگ رہی ہے۔ اگر آپ مہربانی کر کے جلد کھانا کھلائیں۔ تو بڑا احسان ہوگا

رموزی بہت بہتر۔ آٹھ بجے کھانا کھا لیجئے۔ اتنے میں ذرا اور مریضوں کو دیکھ آؤں یہ کہہ کے وہ وہاں سے چلتا ہوا۔ اور یہاں دولتمند خیال کرنے لگا۔ یقین ہے آج کھانا بہت نفیس ہے گا۔ انواع و اقسام کی چیزیں کھانے میں آئینگی۔ کیونکہ یہ ڈاکٹر جب غریبوں کو عمدہ عمدہ کھانے کھلاتا ہے۔ تو مجھ کو کھلانا کوئی تعجب کی بات نہیں۔ میں تو مشہور دولتمند ہوں۔ ایک مدت سے میں اس شہر کی مچھلیوں کی شہرت سنتا چلا آتا ہوں۔ نہایت عمدہ اور مزیدار ہوا کرتی ہیں۔ آج وہ سب میرے کھانے میں آئیں گی اس کے علاوہ ڈاکٹر کا باورچی بڑا استاد ہوگا۔ اچھی اچھی چیزیں پکاتا ہوگا۔ بس کوئی ایسا سبب نہیں معلوم ہوتا۔ کہ جس سے مجھے اپنے نوکروں کے رخصت کرنے کا افسوس کرنا پڑے۔

غرض وہ اسی طرح خیالی پلاؤ پکا کر کھانے کی گھڑیاں گن رہا تھا

کہ بھوک لگنی شروع ہوتی ۔ تھوڑی ہی دیر میں آنتیں قل ہو اللہ پڑھنے لگیں ۔
جب صبر نہ ہو سکا۔ تو ڈاکٹر کے نوکروں میں سے ایک کو بلا کر کہا۔ کہ بھائی جان
جب تک کھانا تیار ہو۔ کوئی مزیدار چیز تو مجھے لا دو۔ کہ جس سے کچھ دیر تک
ٹھہر سکوں۔ کیونکہ آٹھ بجنے میں ابھی بہت دیر ہے۔ نوکر نے ہاتھ جوڑ کر کہا
کہ جناب آپ کا حکم ہم دل و جان سے بجا لاتے۔ لیکن کیا کریں اپنے آقا کے
حکم سے لاچار ہیں۔ انھوں نے تاکید کر دی ہے۔ کہ اگر کوئی نوکر میری ۔
بے اجازت کسی بیمار کو ایک خشخاش کا دانہ بھی دیگا۔ تو اسی وقت نکال
دیا جائے گا۔ اور یہ حکم ان کا حقیقت میں بیمار کے فائدے کے لئے ہے۔ جو کچھ
کھانا ہوتا ہے۔ وہ اس کو اپنے سامنے کھلاتے ہیں۔ ذرا صبر کیجئے۔ ابھی دو
گھنٹے میں کھانا تیار ہوا جاتا ہے۔ یہ سنکر دولتمند نا امید ہو گیا۔ اور دو گھنٹے
تک چپ چاپ بیٹھا رہا۔ جان عذاب میں ہو گئی۔ کیونکہ عمر بھر میں یہ پہلا ہی
موقع تھا۔ کہ اس کو اس طرح بھوک کی برداشت کرنی پڑی تھی لحظہ بہ لحظہ
یہی شکایت تھی۔ کہ آج گھڑی کو کیا ہو گیا۔ کہ جلدی سے آٹھ نہیں بجتے الغرض
خدا خدا کر کے جب ساعت موعود یعنی اپنے معمول وقت پر آیا۔ اور دسترخوان
چننے کا حکم دیا۔ تو دولتمند کی جان میں جان آئی۔ کیا دیکھتا ہے کہ خانساماں
نے چھ رکابیاں سرپوش ڈھکی ہوئی میز پر رکھی۔ دل میں خوش ہو کر خیال
کرنے لگا۔ کہ تمام دنیا کی نعمتوں سے زیادہ عمدہ انھیں چھ رکابیوں میں ہو گا جا بجا

تھا۔ کہ ہاتھ بڑھائے۔ ڈاکٹر نے روک لیا۔ اور کہا کہ رکابی کھولنے سے پہلے
آپ اتنا اور سن لیجئے۔ کہ آپ کی بیماری اتنی سخت ہے۔ کہ جس کے واسطے مجھ
کو آپ کے تمام کھانے پینے کی چیزوں میں دوائی ملانی پڑی ہے۔ اگرچہ اس
سے مزے میں کچھ فرق نہیں آیا۔ لیکن امید ہے کہ پورا پورا اثر ظاہر ہوگا۔
اس لئے آپ اس بات کا لحاظ رکھیں۔ کہ جہاں تک ہو سکے تھوڑا کھائیں
یہ کہکر نوکر کو سرپوش اٹھانے کا حکم دیا۔ دولتمند کیا دیکھتا ہے۔ کہ ایک
رکابی میں فقط دو انجیریں ہیں۔ دوسری میں دو زیتون۔ تیسری میں دو
سیب چوتھی میں دو چھوارے۔ پانچویں میں دو اُبلے ہوئے آلو۔ اور چھٹی
میں ایک چھوٹا سا پنیر کا ٹکڑا۔ یہ دیکھتے ہی دولتمند کے ہوش اڑ گئے
گھبرا کر بے ساختہ پکار اٹھا کہ ہائے ہائے یہ کیا غضب ہے۔ میں تو جیتے جی
مر مٹا۔ کیوں ڈاکٹر صاحب! آپ نے اسی واسطے میرے نوکروں کو۔
یہاں سے نکال دیا۔ ذرا خدا سے ڈرو۔ یہ کیسا کھانا میرے سامنے لائے
ہو۔ مجھ سے دولتمند اور امیر کو ایسی چیزیں دیتے ہو۔ جوان مزدوروں
سے بھی جنہیں آپ نے ابھی اپنے ساتھ نعمتیں کھلائی ہیں نہیں کھائی جائیں
ڈاکٹر۔ جناب گھبرائیے نہیں۔ ذرا تحمل کو کام میں لائیے۔ یہ فقط میں نے
آپ کی صحت اور تندرستی کے واسطے تجویز کی ہے۔ آپ برا نہ مانیں۔
سفر کی حرارت سے آپ کا لہو جوش مار رہا ہے۔ اگر اس وقت آپ
کو اچھی اچھی نعمتیں کھلاؤں تو فوراً بیمار ہو جائے گا۔ ہاں کل جب ذرا

آپ کی طبیعت کو سکون ہوگا۔ تو اچھی طرح سے کھانا کھائیے گا۔ کوئی آپ کو روکنے والا نہیں۔ دولتمند کو سوائے قبول کرنے کے کچھ بن نہ پڑی اسی پرہیز کے ساتھ ایک نفیس روٹی کا ٹکڑا جو ڈاکٹر نے اس کو دیا تھا۔ کھا لیا۔ اور پنیر۔ دو انجیر۔ زیتون۔ وغیرہ بھی سب چٹ کر لئے۔ بھوک کے سبب سے یہ چیزیں اسکو ایسی مزیدار معلوم ہوئیں۔ کہ کبھی مٹھائی اور تر حلووں میں بھی یہ لذت نہ آئی تھی۔ جب وہ رکابیاں خالی ہو چکیں تو پینے کے لئے عرق مفرح دیا گیا جس سے کچھ جان میں جان آئی۔

جب میز سے چادر اٹھ گئی۔ تو ڈاکٹر اس سے کوئی ایک گھنٹے تک بڑے فائدے اور کام کی باتیں کرتا رہا۔ پھر اس کو سونے کی اجازت دی۔ دن بھر کا تھکا ہوا تو تھا ہی۔ بڑی خوشی سے نوکر کے ساتھ ایک کمرے میں گیا۔ جو اس کے سونے کے لئے مقرر کیا گیا تھا۔ کیا دیکھتا ہے۔ کہ وہاں نہ تو کسی قسم کا اسباب ہے۔ نہ فرش فروش۔ صرف ایک سادی سی مسہری پڑی ہوئی ہے اور اس کے اوپر ایک ایسا سخت گدیلا کہ جس پر زمین پر ہی سونا بہتر ہے۔ پھر تو دولتمند ضبط نہ کر سکا۔ جھنجھلا کر نوکر سے کہنے لگا۔ کہ اے بد ذات مجھ کو ہرگز یقین نہیں پڑتا۔ کہ ڈاکٹر نے میرے سونے کے لئے یہ کمرا تجویز کیا ہو۔ یہ تو کتوں کے بھی سونے کے لائق نہیں۔ چل مجھے دوسرا کمرا بتا۔ کہ جہاں ذرا نیند تو آئے۔

نوکر۔ خداوندا! مجھے اس بات کا بڑا افسوس ہے۔ کہ آپ کو یہ اس

کمرے کو ناپسند کیا۔ لیکن یہ بات مجھے اچھی طرح یاد ہے۔ کہ ڈاکٹر صاحب نے یہی کمرہ آپ کے لئے تجویز کیا ہے۔ ہم لوگ بھلا ایسی بات کبھی بھولتے ہیں جو آپ کی تندرستی سے علاقہ رکھتی ہو۔ آپ اسی میں آرام فرمایئے۔ یہ کہہ کے باہر سے دروازہ بند کرکے چلتا ہوا۔ دولتمند مارے غصّے کے اسی کمرے میں بیٹھے بیٹھے طرح طرح کی باتیں دل میں سوچ رہا۔ آخر جب نیند کا غلبہ ہوا اور آنکھیں بند ہونے لگیں۔ تو کپڑے اتار کے اسی مسہرے پر لیٹ گیا۔ لیکن اس روز اس کو باوجود سخت بچھونوں کے ایسی غفلت کی نیند آئی کہ عمر بھر کبھی نہیں آئی تھی۔ ایک ہی کروٹ سے صبح ہوگئی۔ جب صبح کو اٹھا تو ڈاکٹر خیر و عافیت پوچھنے کے لئے اس کے کمرے میں آیا۔ اگرچہ دولتمند رات کو اسی سوچ میں سو گیا تھا کہ صبح ہوتے ہی ڈاکٹر سے جھگڑونگا۔ اور جس طرح ہوگا اپنے تئیں اس بے رحم کے پنجے سے چھڑاونگا۔ لیکن رات بھر جو نیند کا آرام پایا۔ اور اس پر ڈاکٹر نے بہت نرمی اور خاطرداری سے خیریت پوچھی۔ تو اس کا غصہ کسی قدر کم ہوا۔ کہنے لگا کہ آج مزاج تو اچھا معلوم ہوتا ہے۔ لیکن یہ کمرہ آپ کا آدمیوں کے رہنے کے لائق نہیں اگر اس کو بھوت خانہ کہیں تو بجا ہے۔

ڈاکٹر۔ اے مہربان! اسی واسطے میں نے پہلے آپ سے اس بات کا اقرار لے لیا تھا۔ کہ مہینا بھر تک جس طرح میں رکھوں آپ کو رہنا پڑے گا۔ آپ کو ضرور یہ بات یقین کرنی چاہئے۔ کہ میں جو کچھ کرتا ہوں۔

آپ ہی کی صحت وتندرستی کے لیئے کرتا ہوں۔ چاہے وہ آپ کو برا معلوم ہو یا بھلا۔ یہ باتیں میں نے عمر بھر کے تجربہ کے بعد حاصل کی ہیں۔ اور میری تدبیر ہرگز آپ کی سمجھ میں نہیں آسکتی۔ آپ نے جو بچھونے کی شکایت کی وہ میرے نزدیک بالکل بیجا ہے۔ کیونکہ یہ بچھونا بھی جس پر آپ سوتے ہیں۔ دواؤں کی تاثیر سے خالی نہیں۔ آپ خود اقرار کرتے ہیں۔ کہ آج رات کو اچھی طرح نیند آئی۔ یہ فقط اسی کا سبب تھا۔ مخمل و ساٹن کے گدیلوں میں ہرگز یہ تاثیر نہیں ہو سکتی۔ اگر آپ شفا چاہتے ہیں۔ تو ان باتوں کا بالکل خیال نہ کیجئے۔ اور ناحق خفا نہ ہوجئے۔ اس وقت دن بہت چڑھ گیا ہے اگر آپ کی طبیعت چاہے۔ تو پلنگ سے اٹھکر ہاتھ منہ دھو ڈالئے۔ اور کپڑے بدل کر باہر تشریف لائیے۔

رموزینی نے نوکروں کو آواز دی۔ اور انھوں نے آنکر منہ ہاتھ دھونے کے بعد کپڑے پہنائے۔ دولتمند کو یقین تھا۔ کہ آج حاضری میں ضرور اچھی چیزیں کھانے کو ملینگی۔ لیکن جب اُس روز بھی اس کو ایک ٹکڑا روٹی کا اور ایک پیالی شوربے کی دی گئی۔ تو اس کا دل جل کر کباب ہوگیا۔ مگر ڈاکٹر نے طب کی کتابوں سے ایسی ایسی دلیلیں پیش کیں۔ کہ اس کی کچھ نہ چل سکی۔

جب حاضری کھا چکا۔ تو کچھ دیر کے بعد ڈاکٹر نے کہا۔ کہ جناب آئیے۔ اب آپ کے ہاتھ پاؤں کھولنے کی کچھ تدبیر کروں۔ کیونکہ بغیر چلنے

پھرنے کے دوا چنداں کارگر نہ ہوئی یہ کہہ کے اس کی کرسی نوکروں کے کندھوں
پر اٹھوائی۔ اور ایک کوٹھری میں لیجا کر کہنے لگا۔ کہ آپ یہاں ذرا کرسی سے
اتر کے کھڑے تو ہو جایئے۔

دولتمند۔ یہ ہرگز نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ مجھ میں کھڑے ہونے کی بالکل
طاقت نہیں۔ آج تین سال ہوئے۔ کہ میں نے بے سہارے زمین پر قدم نہیں رکھا

ڈاکٹر۔ کچھ مضائقہ نہیں آپ لاٹھیوں کے سہارے سے دیوار کی ٹیک دے
کے کھڑے ہو جائیں۔ یہ سن کر دولتمند بمشکل تمام لکڑیوں کے سہارے
کھڑا ہوا۔ ڈاکٹر نے اسی وقت وہ کرسی وہاں سے اٹھوا دی اور آپ بھی
جھٹ پٹ کمرے سے باہر نکل کے دروازہ کو قفل دیدیا۔

اس کوٹھری کی زمین تمام لوہے کی بنی ہوئی تھی۔ اور اس کے نیچے کوئلے دہکا
رہے تھے۔ رفتہ رفتہ وہ گرم ہونے لگی۔ اور تھوڑی دیر میں اس قدر تپ
اٹھی۔ کہ دولتمند کے پیر جلنے لگے۔ گھبرا کے ہائے توبہ کا غل مچانا شروع کر دیا
کبھی ڈاکٹر کو پکارا اور کبھی نوکروں کو آواز دی۔ لیکن جب کسی نے جواب
نہ دیا۔ تو گالیاں دینے اور دھمکانے لگا۔ جب اس سے بھی کچھ فائدہ نہ
ہوا۔ تو انعام کے لالچ دیئے۔ عاجزی کی اور گڑگڑایا۔ لیکن کمرے کا
دروازہ نہ کھلنا تھا پر نہ کھلا۔ جب تلوے بہت ہی جلنے لگے۔ تو ایک پیر اٹھا
کے دوسرے پیر سے مینڈک کی طرح کودنا شروع کیا۔ اور جب وہ بھی
جلنے لگا۔ تو اس کو اٹھا کے پھر دوسرے سے کودنا شروع کیا۔ غرض اسی

طرح باری باری سے ایک پیر اٹھاتا اور دوسرا دھرتا۔ دو گھنٹے تک اس کمرے کے اندر چوطرفہ کودتا پھرا۔ جب تمام رگیں اچھی طرح سے کھل گئیں۔ اور بدن بالکل پسینے میں ڈوب گیا۔ تو ڈاکٹر نے دروازہ کھول کے ایک بڑی سی آرام کرسی گدے اور تکیہ سمیت اندر بچھوا دی اس کمرے کی زمین کو ٹھنڈا کرنے کا حکم دیا۔ کرسی دیکھتے ہی دولتمند کی جان میں جان آئی۔ اسی وقت بے اختیار اس پر جا گرا۔ عمر بھر میں یہ پہلا ہی موقعہ تھا۔ کہ اس نے آرام کا مزا پایا۔ کیونکہ بغیر محنت و مشقت کے راحت و آرام ہرگز نصیب نہیں ہوتا۔

کھانے کے وقت ڈاکٹر اس کے پاس چلا آیا۔ اور معذرت کی اس عذرخواہی سے اگرچہ اس کا غصہ فرو نہیں ہوا۔ لیکن بھنے ہوئے مرغ کے کباب کی بو باس نے اس کی خفگی بالکل دور کر دی۔ خوب پیٹ بھر کے کھائے۔ اور پھر ڈاکٹر کے حکم سے تھوڑا سا مفرح عرق بھی پیا۔

غرض اسی طرح رموزیہی روز بروز اس دولتمند کو محنت کرنے اور بھوک سہنے کی عادت ڈالتا اور اس کی طبیعت کو اصلاح پر لاتا جاتا تھا۔ حتیٰ کہ ایک مہینا پورا ہو گیا۔ اس کے نوکر چاکر سواری لے کر حاضر ہوئے۔ اس نے مارے خفگی کے نہ تو ڈاکٹر سے رخصت لی اور نہ اس کے آدمیوں سے کچھ کہا۔ فوراً گاڑی پر سوار ہو کر سیدھا وہاں سے اپنے وطن کو روانہ ہو گیا۔ جب شہر میں پہنچا تو پہلے اس ڈاکٹر کے مکان کو گیا

جس نے سفارش کی چھٹی لکھی تھی۔ ملاقات ہوئی۔ تو اس نے دولتمند کو مشکل سے پہچانا۔ کیونکہ مہینا بھر کے عرصے میں اس کی ہیئت بالکل بدل گئی تھی۔ نہ تو وہ توند تھی۔ نہ اس مٹاپے کا نام و نشان یا تو بغیر لاٹھی کے چل نہیں سکتا تھا۔ یا اس قدر ہاتھ پاؤں میں زور آگیا تھا۔ کہ گویا وہ کبھی بیکار ہی نہیں ہوئے تھے۔ دولتمند نے ڈاکٹر کو دیکھتے ہی ایسی لعنت ملامت شروع کی۔ کہ توبہ توبہ! غصے سے کہنے لگا۔ کہ آپ نے تو خوب ہمارا علاج کروایا۔ اور ایسے شخص کے پالے ڈالا۔ نہیں معلوم یہ کب کی دشمنی آپ نے مجھ سے نکالی۔

یہ سنکر ڈاکٹر نے بہت نرمی سے جواب دیا۔ کہ جناب میں نہیں جانتا کہ آپ کس لئے مجھ کو یہ باتیں سنا رہے ہیں۔ میں نے کچھ آپ کو موذی کا علاج کرنے کے لئے مجبور نہیں کیا تھا۔ آپ اپنی خوشی سے اس کے پاس گئے۔ ہاں البتہ یہ میرا قصور ہوا۔ کہ میں نے آپ کی خواہش کے موافق ان کو چھٹی لکھ دی۔ اور اس میں آپ کے لئے بہت کچھ سفارش کی۔

دولتمند۔ بے شک آپ نے مجبور تو نہیں کیا۔ لیکن میرے سامنے اس کمبخت کی تعریف کیوں کی؟

ڈاکٹر۔ اگر تعریف کی تو کیا برا کیا۔ کیا میری بات جھوٹ تھی؟ کیا آپ کی بیماری آگے کی نسبت اب کچھ زیادہ ہو گئی ہے؟

دولتمند۔ نہیں یہ تو میں نہیں کہہ سکتا۔ بلکہ آگے کی نسبت اب بہت

تندرست ہو گیا ہوں۔ ہاضمہ درست رہتا ہے۔ کھانا خوب کھایا جاتا ہے
نیند ایسی آتی ہے کہ عمر بھر میں کبھی نہیں آئی تھی۔ اور اچھی طرح سے چل پھر
بھی سکتا ہوں۔
ڈاکٹر۔ بس جب آپ کی یہ حالت ہے۔ تو چاہیے تھا کہ شکر گزار ہوتے۔
نہ کہ ناحق اس بیچارے کو گالیاں دے رہے ہو۔ صاحب آپ کا دھیان
کدھر ہے؟ اس نے مہینا بھر میں آپ کے کھوکھلے بدن میں گویا نئے سرے
سے جان ڈالدی۔ اور آپ کو بالکل تندرست کر دیا۔
دولتمند نے پہلے ان تمام باتوں پر غور نہیں کی تھی۔ جب اس ڈاکٹر نے
اس کو سمجھایا۔ تو حضرت کی آنکھیں کھلیں۔ اور دل میں کہنے لگا۔ کہ ہاں
یہ کہنا تو سچ ہے۔ پھر ڈاکٹر نے کہا۔ کہ البتہ آپ اس بات کی شکایت کر
سکتے ہیں۔ کہ آپ کو دھوکا دے کر اچھا کر دیا۔ اور بیوقوف بنا کے چھوڑ دیا۔
جب آپ اس کے مکان پر پہونچے تھے۔ اس وقت کئی غریب بیماروں
کو اس کی میز پر طرح طرح کی نعمتیں کھاتے ہوئے دیکھکر آپ دھوکے میں آگئے
مگر یہ نہ سمجھے کہ غریبوں کو اکثر بیماریاں کھانا نہ ملنے کی وجہ سے ہوتی ہیں
اس لئے ان کو تندرست کرنے کے لئے اچھی اچھی چیزیں کھلانی ضروری
ہیں۔ اس کے برخلاف امیر لوگ زیادہ کھانے پینے سے اکثر طرح طرح کی
بیماریوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ پس ان کی بے اعتدالیوں کو دور کرنے
کے لئے لازم ہے۔ کہ انھیں پرہیز کرایا جائے۔ اور محنت کی عادت ڈالی جائے

اس میں شک نہیں کہ رموزینی نے آپ کو تندرست کر دیا۔ نہ تو اس نے آپ کے بچھونے میں کچھ دوا ملائی تھی۔ اور نہ آپ کے کھانے پینے کی چیزوں میں کچھ ملایا تھا۔ صرف اسے آپ کی عادتوں کو بدلنا منظور تھا۔ اس لئے یہ فقرہ چلا۔ اگر سچ پوچھو تو رموزینی نے آپ کا علاج اس خوبی کے ساتھ کیا ہے۔ کہ اگر آپ اُس کو اپنی آدھی دولت بھی دیدیں۔ تو بھی اُس کے احسان کا بوجھ آپ کی گردن سے نہیں اتر سکتا۔ ذرا آئینہ اٹھا کر منہ تو دیکھئے۔ کہ کیا سے کیا ہو گئے ہو۔

جب ڈاکٹر نے اس طرح سمجھایا۔ تو دولتمند بھی قائل ہو گیا اور اپنی بدزبانیوں سے پچھتا کے اس سے عذر خواہی کرنے لگا۔ پھر مکان پہ آتے ہی ایک شکریہ کا خط اور بہت سا روپیہ رموزینی کو بھیجا۔ اور جب تک جیتا رہا۔ اپنی ان پرانی عادتوں کو پاس نہ آنے دیا۔ اعتدال کے ساتھ رہتے۔ بھوک کے موافق کھانے اور وقت پہ چلنے پھرنے سے بڑھاپے میں بھی کسی قسم کی بیماری اُس کے پاس بھٹکنے نہ پائی۔ ورزش سب کے لئے مفید ہے اس سے بدن کے جوڑ بند مضبوط ہوتے ہیں رگ پٹھوں میں طاقت آتی ہے۔ بھوک اچھی طرح لگتی ہے۔ کھانا خوب ہضم ہوتا ہے۔ جسم کی صحت بحال رہتی ہے۔ بجھی ہوئی طبیعت میں تازگی آجاتی ہے۔ غرض سو دوا کی ایک دوا ورزش ہے ۔

دوا ورزش سے کوئی بہتر نہیں یہ نسخہ ہے کم خرچ بالا نشیں

(منشی خورشید حسین)

سنّو میاں کا بھوت

جبلپور میں ہرراوی نام ایک گاؤں ہے۔ یہاں سنّو میاں کی بہت سی زمینداری تھی۔ گاؤں والے ان کو عزت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ یہ نیک اور ملنسار تھے۔ اور ہر اس کام میں پیش پیش ہوتے تھے جس سے لوگوں کو فائدہ پہنچے۔ چنانچہ گاؤں کے قریب غریب مسافروں کے لئے ایک سرائے بنا دی تھی۔ اور ان کا معمول تھا کہ ہر فصل پر اپنی آمدنی کا چوتھائی حصہ غربا پر تقسیم کر دیا کرتے تھے۔

ایک دفعہ ایسا ہوا جب فصل پک کر تیار ہو گئی۔ تو کچھ لٹیرے گاؤں میں گھس آئے اور کھیتوں کو خراب کرنے لگے۔ سنّو میاں نے کچھ لوگ حفاظت کے لئے بلائے۔ خود بھی حفاظت کرنے کے خیال سے رات کو باہر نکل جاتے اور اکثر سرائے ہی میں ٹھہر جاتے۔ اور وہیں سو رہتے۔ ایک دن کھانا کھا کر آئے تو دیکھا کہ ایک شخص اُنکے پلنگ پر سو گیا ہے۔ اس کو وہیں چھوڑ دیا۔ اور خود سرائے سے باہر چلے گئے۔ چاندنی چھٹک رہی تھی۔ کھیت سنہری بالوں سے لدے کھڑے تھے۔ یہ اپنے خیال میں محو ہو گئے۔ اور نہ معلوم کہاں سے کہاں پہنچ گئے رات کے بارہ بجے ہونگے کہ ایک شور اُٹھا۔ لوگ باہر آئے۔ تو دیکھا کہ سنّو میاں کی سرائے میں بڑی زبردست آگ لگی ہے۔ بڑی مشکل سے آگ بجھائی۔ جلی ہوئی چیزوں میں ایک لاش نکلی جس کا پہچاننا مشکل تھا

سب کو یقین ہو گیا۔ کہ ستو میاں رات کو سراے میں سوتے اور آگ میں بھسم ہو گئے۔ گھر میں خبر کی گئی۔ رونا پیٹنا پڑ گیا۔ صبح سویرے لاش دفنا دی گئی۔ لوگ بہت افسوس کرنے لگے۔

ستو میاں کا حال یہ ہوا کہ چلتے چلتے جب تھک گئے تو گھاس پر لیٹ گئے۔ آنکھ کھلی تو سویرا ہو چکا تھا۔ منہ ہاتھ دھو کر شہر کو روانہ ہو گئے۔ گیارہ بجے ایک گاؤں میں پہونچے۔ جہاں ایک کاشتکار سے کچھ روپئے وصول کرنے تھے۔ وصولی میں دیر لگی چار بج گئے۔ گاؤں پہنچتے پہنچتے شام ہو گئی۔ مکان پہونچے تو اچھی خاصی رات تھی۔ دروازہ کھٹکھٹایا بیوی غمگین بیٹھی تھی۔ کچھ خبر نہ ہوئی کہ کیا ہوا۔ انہوں نے آواز دی پہچان گئی۔ تمام گھر والے اور نوکروں کو اٹھایا۔ وہ سب چلا اٹھے "ستو میاں بھوت بن گئے" گاؤں والے بھی اٹھے اور کہنے لگے۔ ستو میاں تو واقعی بھوت ہو گئے۔ ستو میاں بہت چلائے لیکن انکی سنتا کون۔ اٹھے لوگ لٹھ لیکر دوڑے۔ یہ غریب بھاگے اور جنگل میں پناہ لی۔ تمام گاؤں میں یہ خبر مشہور ہو گئی کہ ستو میاں بھوت ہو گئے۔ بچہ بچہ کی زبان پر یہی چرچا تھا۔

ستو میاں اوّل تو وہم کھو رہے۔ لیکن پھر یہ سوچا کہ چلو پھر چلوں۔ اب کے کسی کو آواز نہ دوں۔ اور دیوار پھاند کر گھر میں گھس جاؤں۔ چنانچہ چپ چاپ گاؤں میں پہونچے۔ اور دیوار پر چڑھ کر اترنے والے ہی تھے۔ کہ لوگوں نے دیکھ لیا۔ اب کیا تھا لٹھ بند دیوار کے

نیچے آپہنچے۔ یہ غریب بے تحاشا کودے اور سیدھے جنگل کی طرف بھاگے۔
اب پریشانی اور بھی بڑھ گئی۔ اور یہ معمہ کسی طرح بھی سمجھ میں نہ آیا۔
رات اسی سوچ میں گذاری۔ صبح ہوتے ہی پھر گاؤں کی طرف روانہ ہوئے
اور ایک جھاڑی میں چھپ کر بیٹھ گئے۔ ایک زمیندار کو (جس سے دوستی
تھی) آتے دیکھا۔ آواز دی اس نے دیکھا چلایا سنو میاں بھوت ہو گئے
اور دہشت کے مارے گرا اور گر کر فوراً مر گیا۔ سنو میاں جھاڑی سے نکلے
زمیندار کے مرنے کا رنج ہوا۔ لیکن کرتے کیا اپنی قسمت کو رو کر بیٹھ گئے۔

فاقہ ایک دن کا بھی برا ہوتا ہے یہاں چوتھا روز تھا۔ حالت
خراب ہونے لگی۔ پتوں سے پیٹ بھرنے لگے۔ اب سخت حیران تھے کہ
کیا کریں۔ خیال کیا چلو دھوبی گھاٹ چلیں۔ شاید کسی کو رحم آجائے۔
اور وہ مجھے کچھ دیدے۔ چنانچہ وہ گئے۔ اور ایک جگہ چھپ گئے۔ دھوبی ان
کے بھوت ہونے کا قصہ سن چکے تھے۔ جب انھیں گھاٹ پر چھپے ہوئے۔
دیکھا تو وہ گھاٹ چھوڑ کر بھاگ گئے۔ اور گاؤں میں قصہ بیان کیا۔
اب وہ ہم یقین تک پہونچ گیا۔ اور خود انھیں زندہ ہونے میں کچھ شک
سا ہونے لگا۔

ایک فوجی افسر بھی وہاں پہنچا۔ اس کو اپنے کپڑے دھلوانے
کی سخت ضرورت پڑی اس نے دھوبیوں سے کہا۔ انھوں نے بھوت
کا واقعہ سنا کر انکار کیا۔ حیل حجت کے بعد ایک دھوبی اس شرط

پر راضی ہوا کہ خود وہ افسر پہرا دے اور دھوبی کپڑے دھوے۔ افسر بندوق کندھے پر رکھے پہرہ دے رہا تھا۔ جب کپڑے دھو چکا۔ تو دھوبی آرام کرنے کے لئے لیٹ گیا۔ سنو میاں جھاڑی سے نکلے جوں ہی دھوبی نے دیکھا۔ اس نے ایک چیخ ماری دوڑ کر دریا میں کود پڑا۔ اور ڈوب کر مر گیا۔ فوجی افسر نے جب دھوبی کو نہ پایا۔ تو وہ دوڑا اور اس نے دیکھا کہ بھوت سامنے کھڑا ہے۔ ڈر کے مارے کانپنے لگا۔ اور جلدی سے گھوڑے کی رسی کھول کر سوار ہوا۔ اور بھاگنا چاہا۔ جلدی میں گھوڑے کی پچھاڑی کھولنا بھول گیا تھا۔ اب ایڑ پر ایڑ لگاتا ہے۔ لیکن گھوڑا نہیں چلتا۔ آخر غصہ اور گھبراہٹ میں زور سے ایک چابک مارا۔ گھوڑے نے زور لگایا کھونٹی اکھڑ گئی۔ ان حضرت کو یہ بھی خبر نہ ہوئی۔ گھوڑا جو بھاگا تو میخ اچھل اچھل کر ان کی پیٹھ پر لگنے لگی۔ سپاہی نے چلا کر کہا سنو میاں کے بھوت خدا کے لئے مجھے اس بے دردی سے تو نہ مارو۔ کہیں کوئی ہو تو سنے۔ وحشت اور گھبراہٹ میں وہ گھوڑے کو مارتا جاتا تھا۔ اور جوں جوں گھوڑا تیز ہوتا جاتا تھا۔ اتنی ہی میخ کی چوٹ سخت ہوتی تھی۔ یہاں تک کہ گاؤں پہنچتے پہنچتے افسر کا کام تمام ہو گیا۔ اب کیا تھا گاؤں والوں نے چھ بجے کے بعد سے نکلنا بند کر دیا۔ اور ہر گھر میں سنو میاں کے بھوت کے خوفناک قصے زبان زد عام ہو گئے۔

سنو میاں ناامید ہو گئے اور یقین ہو گیا۔ کہ مرنے ہی سے

پہلے ہی موت آگئی۔ رہائی کی کوئی تدبیر نظر نہیں آتی تھی۔ اتفاقاً ایک سردار کچھ سپاہیوں کو لیے ہوئے۔ شکار کو آنکلا۔ اور اپنے سپاہیوں سے کہا ایک جھاڑی کے پاس اپنا سامان رکھدو۔ یہ لوگ خوشنما جھاڑی دیکھکر پاس گئے۔ دیکھا کہ کچھ پڑا ہوا ہے۔ سردار نے بندوق سیدھی کی اور نشانہ تاک ہی رہا تھا۔ کہ سنو میاں اُٹھے جھپٹے اور سردار کے قدموں پہ گر پڑے اور اپنی رام کہانی سناڈالی۔ سردار تھا بڑا سمجھ دار قصہ خوب غور سے سنتا رہا۔ اور آخر میں سنّو میاں کو لیکے گاؤں آیا۔ سب لوگوں کو جمع کیا۔ اور کچھ اس ڈھب سے سمجھایا کہ سب کے دل میں بات جم گئی اور سنّو میاں کا بھوت اپنے گھر میں صرف سنّو میاں بن گیا ؎

ایک گھوڑا تھا نہایت عیب دار — اپنے سائے سے بدکتا بار بار
اس سے مالک نے خفا ہو کر کہا — "سن تو احمق جس سے تو ہی ڈر رہا
جسم کا تیرے ہی تو سایہ ہے وہ — نے درندہ ہے نہ چوپایا ہے وہ"
یوں دیا گھوڑے نے مالک کو جواب — "سچ کہا یہ آپ نے لیکن جناب
آدمی سے بڑھ گئے ہیں وہمی نہیں — اَن ہوئی باتوں کا ہے جسکو یقیں
بھوت کا قصہ کہانی کے سوا — کچھ نشاں گھر میں نہ جنگل میں پتا
بھوت سے ڈرنا بھی کوئی بات ہو — کیا ہی وہمی آدمی کی ذات ہے
سایہ تو آنکھوں سے آتا ہے نظر — کیا عجب ہے جو ہوا مجھ پر اثر
اپنے دُکھ کا کیجیے اوّل علاج — دوسروں کا پوچھئے پیچھے مزاج

وکٹوریہ گیٹ مسلم یونیورسٹی علی گڈھ

سرسید احمد خاں علیہ الرحمۃ ایل ایل ڈی
بانی مسلم یونیورسٹی علیگڈھ

اس ارادے کو جب کہا گھر میں — پڑ گیا رونا پیٹنا گھر میں
چیخی مرزا کی ماں ہائے ہائے — کوئی جا کر ذرا انھیں سمجھائے
اُن کو تو ہو گیا ہے کچھ سودا — سوچتے ہی نہیں برا اچھا بھلا
میرا بچہ نہ جائے گا کوئل — میرا چھپر کا تو نہیں ہے دل
نہ انھوں نے سنی کسی کی بھی — اپنی ضد ہر طرح سے پوری کی
دیا یا حکم جائے مرزا کل — ہائے حکم تھا پیام اجل
جوں جوں ہوتی سفر کی تیاری — اُن پہ ہوتی تھی زندگی بھاری
آ گیا وہ بھی وقت آخر کار — ڈر سے آتا تھا جب کہ ان کو بخار
وقت رخصت تھا سخت مرزا پر — چاہتے تھے مردوں میں پھوڑ کے سر
کچھ لیکن نہ کرتے دھرتے بنا — باپ نے جو کہا انھوں نے کیا
شور و شیون تمام کرنے کو — گھر میں آئے سلام کرنے کو
اُن کے آتے ہی مچ گیا کہرام — روتا تھا ایک ایک دل کو تھام
خالا اماں، موما نی، بھابی جان — اپنے مرزا پہ سب ہوئے قربان
آپا جانی نے بھی بلائیں لیں — سب نے نہال کر کے یوں دعائیں دیں
یا الٰہی یہ خیریت سے پھر سے — اور دشمن پہ اس کی بلا گرے
واسطہ مرتضیٰ علی کا تجھے — جلد لا کر ملا ئیو ہم سے
اشک برسا کے دیدۂ تر سے — کیا کہوں مرزا جب نکلے گھر سے
مختصر یہ پہونچ گئے وہ یہاں — آہ بر لب درون سینہ فغاں

ایک ہفتہ تو کٹا تارو دہو کر — بعدہ ہر طرح سے زچ ہو کر
ایک عریضے کی یوں بنا ڈالی — قبلہ ام مدظلہ العالی
اوّلاً مجرا عرض کرتا ہوں — حال پھر اپنا عرض کرتا ہوں
ہو کے رخصت جناب سے پہونچا — کیا کہوں اس جگہ یہ کیا دیکھا
یاں کے لڑکوں کا حال ہے یہ عجب — ایسا دیکھا کبھی نہ سنا
جس میں اک نئی ڈھنگ ہیں — اور تو اور ہے زبان نئی
ایک ذرا ایک گوشت کہتے ہیں — جانے کس دیس میں یہ رہتے ہیں
ہوں پریشاں تو آلیا فرمائیں — خوش ہوں گر تو ہیرے پہنائیں
گر ہو اچھا لباس ٹھاٹ کہیں — اور گنواروں کو راج گھاٹ کہیں
بو کہیں کی ہو ذرا سی کبھی — اس کو کہتے ہیں یاں پھیاتی
عمدہ کھانا کھلانا عیاشی — عمدہ شربت پلانا عیاشی
عطر میں گر کبھی جو کپڑے بسائیں — فوراً عیاش آپ کہلائیں
کورنش مجرا بندگی آداب — سب کی یاں ہو گئی ہے مٹی خراب
اس کے بدلے ہے بس سلام علیک — گویا ہے ڈھیلا کھینچ مارا ایک
دوڑتے کودتے اچھلتے ہیں — بھول کر بھی نہ سیدھے چلتے ہیں
کوئی مارے جو بلا نگ تو یہ خوش — ٹوٹ جائے جو ٹانگ تو یہ خوش
گیند بلا سواری اور فٹ بال — یہ یہاں کی ہیں کھیلیں یہ اشغال
گر پڑے کوئی تو خوش ہو جائیں — اور پھر خوب خوب تالی بجائیں

ہنڈکُلیا

شہر دہلی میانِ ہندوستان
ایک خطہ ہے جانِ ہندوستان

تھا لقب اس کا شاہجہاں آباد
نامرادی سے یہ ہوا برباد

ایسی جنت نشاں بہشتی تھی
حور بھی دید کو ترستی تھی

اگلے وقتوں یہ شہر تھا غدار
لیکن اب تو ہے ایک اجاڑ دیار

وہ مکاں ہیں نہ وہ مکیں اس کے
یہ جبیں اب نہ وہ جبیں اس کی

ہو گئے لوگ وہ زمیں کی بھینٹ
کیا دستِ ستم نے ملیا میٹ

اب وہ اگلی سی رسم و راہ نہیں
وہ محبت نہیں وہ چاہ نہیں

پہلے اس میں نہایت بستی تھیں
ساری دنیا کی چیزیں سستی تھیں

ایک پیسے میں پیٹ بھرتا تھا
بھوکا کوئی نہ اس میں مرتا تھا

ہے یہ جو حصہ انقلابوں میں
مرثیے اس کے ہیں کتابوں میں

سرگزشتیں کہانیاں نہ سنو
نہ سنو اس کی داستاں نہ سنو

نہ یہ دکھڑا ہے سننے کے قابل
نہ یہ بستی ہے دیکھنے کے قابل

اب کہاں وہ امی جمی کے دن
آئے دن اب تو ہیں کلی کے دن

بن کے بگڑے ہیں اس کے سارے بناؤ
اس کی ڈوبی ہے منجدھار میں ناؤ

پار بیڑا لگاتا کون آن
ناخدا تھا نہ کوئی کشتیبان

وہ بنا تھا ازل سے ہو یہ شہر — اس پہ نازل ہوئی خدا کی قہر
آنکھیں بھی روئیں حال پہ اس کے — دل بھی اُمڈے زوال پہ اس کے
مختصر سا یہ اس کا دکھڑا ہے — بن کے یہ بار بار اُجڑا ہے
بگڑے گھبرائے وقت میں اب تک — رنگ ڈھنگ اس کا ہے عجب بیشک
ہے ہر اک اپنا اپنے حال میں مست — مال میں مست کوئی کمال میں مست
کوچے گلیاں ہیں بے شمار اس میں — باغ عالم کی ہے بہار اس میں
ایک کوچہ ہے اس میں پنڈت کا — کیا ٹھکانا ہے اس کی وسعت کا
نام کو تو وہ ایک کوچہ ہے — لیکن اک شہر اس میں بستا ہے
تھا کسی وقت میں بڑا گنجان — اہل اسلام رہتے تھے ذی شان
اب بھی اس میں شریف ہیں آباد — پہلے جو تھے وہ ہو گئے برباد
قاضی ناصر علی تھے ایک ضعیف — خاندانی۔ رئیس۔ نیک شریف
ان کی دو لڑکیاں تھیں چھوٹی سی — تھیں وہ لڑکوں سے بڑھ کے چاہیتی
ایک کا نام ان میں تھا زبین — دوسری کا خطاب تھا زہرن
ان میں زہرن جو تھی وہ چھوٹی تھی — جتنی چھوٹی تھی اتنی کھوٹی تھی
زبین البتہ بھولی بھالی تھی — اور زہرن تو چار تالی تھی
بڑی لڑکی ششم میں پڑھتی تھی — اُس سے ہر امر میں وہ بڑھتی تھی
اور زہرن قرآن پڑھتی تھی — حفظ بھی مارے باندھے ہی وہ بھی
ہر کسی سے تھی دل لگی اس کی — بولی ٹھولی تھی چلبلی اس کی

سب وہ آن بان رکھتی تھی — بات بھر کی زبان رکھتی تھی
جس کو جو چاہا کہہ دیا بے ڈر — کچھ کسی کا نہ خوف تھا نہ خطر
نام زینت کو دھرتی رہتی تھی — تلخ و ماچھو وہ کرتی رہتی تھی
وہ ہٹیلا مزاج تھا اس کا — گویا گھر بھر میں راج تھا اس کا
وہ نرالی ضدیں وہ کرتی تھی — کرتا جو کچھ ہو کر گذرتی تھی
صورت اس کی جو پیاری پیاری تھی — ماں بھی اس پر کہ واری واری تھی
ماں بھی بھرنا اسی کا بھرتی تھی — جو وہ کہتی وہی وہ کرتی تھی
یوں تو زینت بھی خوبصورت تھی — سانولی سانولی سی رنگت تھی
نقشہ اچھا چلن بھی اچھی تھی — کم سخن تھی یہ اس میں خوبی تھی
تھی سگھڑ سینے میں پرونے میں — بیٹھی رہتی تھی ایک کونے میں
زینت اک دن جو مدرسہ کو چلی — ماما اس نے جو ڈولی کو بھیجی
بولی زینت کدھر چلی ڈلیا — آج باجی پکا ہیں منہ ڈھکیا
آہا کیا ٹھنڈی سی آ رہی ہے ہوا — جیسے جنت کا آ رہا ہے جھونکا
آسماں پہ بہار بھی کچھ ہے — بھینی بھینی پھوار بھی کچھ ہے
ابھی ہو جائے گی جو خدا کا کرم — موسلا دھار مینہ کا جھم جھم
دیکھو کیسی گھٹا وہ اٹھی ہے — آج تو مدرسہ کی چھٹی ہے
ابھی ڈولی یہ کوئی منگائی ہو — جی میں وحشت یہ کیا سمائی ہے
ہم سے جب پوچھے ہو گئیں تیار — یہ نہ سمجھیں کہ آج ہے اتوار

میں تو چھوٹے کا کرتی ہوں سامان — اچھی باجی پکاؤ تم پکوان
ابّا باہر گئے ہیں ایسے میں — اماں بھی سو رہی ہیں کمرے میں
اپنی سہیلیوں کو بلواؤ — یا خود ان کے مکان پر جاؤ
میری ہمجولیاں یہاں جو ہیں — وہ تو گنتی کی آٹھ نہیں دو ہیں
ایک حمیدن ہے دوسری بانو — اور جتنی ہیں اُن کو تم جانو
ان کو دعوت میں بلاؤں گی — ان کا ساجھا بھی میں ملاؤں گی
اور جو دوسری خبر پائیں گی — آ کے کھٹ پٹ یہاں مچائیں گی
سب کا آنا نہیں ہمیں منظور — ان چڑیلوں سے اللہ رکھے دور
بس انہیں دونوں کو بلا بھیجو — ایسا چپکے سے کہلوا بھیجو
کانوں کان اوروں کو خبر بھی نہ ہو — ان بلاؤں کا پھر گزر بھی نہ ہو
بھیجا کھڑکی میں پھر آمن کو — لائے بانو اور حمیدن کو
کھڑکی والی حویلی کے اندر — لائی دونوں کو جلدی وہ جا کر
سن کے پکوان کی کہا سب نے — بھیجی رحمت تو آج ہے رب نے
بولی زیبن کہ گھر میں سب کچھ ہے — کہا فضل خدا سے سب کچھ ہے
گھی میں گھی گڑ میں گڑ نمک میں نمک — گھر میں چیزیں یہ ہیں سبھی بیشک
اور جو سامان چاہیے اچھا — نقد آئے گا اچھے سے اچھا
بولی بانو پکائے گا یہ کون — بولی زیبن کہ سیر او سیر دو ہوں
باجی زیبن پکائیں گی سب کچھ — ورنہ ہم کو بتائیں گی سب کچھ

اچھی باجی تمہارے ہیں قربان ‏ کس طرح سے پکاتی ہیں پکوان

بولی زینت کہ ہاں بتا دوں گی ‏ جو جو آتا ہے وہ بتا دوں گی

پھلکیاں تلنی ہوں اگر منظور ‏ پہلے بیسن کا گوندھنا ہے ضرور

تل تو جاؤ نکالتی جاؤ ‏ اور پانی میں ڈالتی جاؤ

پڑ کے پانی میں ہونگی پھولی سی ‏ ہلکی پھلکی بھی اور کھوکلی سی

بے تکلف ہر ایک کھائے گا ‏ پوپلا بھی انہیں چبائے گا

گر دہی کے بڑے بنانے ہوں ‏ تو یہ دو تین بس مسالے ہوں

پتلا کر لو دہی کو پانی میں ‏ چھان اوّل اس کو صافی میں

ہو نہ پتلا وہ شوربے کی طرح ‏ اور نہ گاڑھا ہو قورمے کی طرح

بس موافق رہے قوام اس کا ‏ کوئی مشکل نہیں ہے کام اس کا

یہ مسالے ملاؤ پھر اس میں ‏ تھوڑا سا نون تھوڑی سی ہینگ پیا

سرخ مرچیں مگر ہوں تھوڑی سی ‏ یہ بہت ڈالنی نہیں اچھی

کالی مرچیں ہوں کالا زیرہ ہو ‏ تھوڑا لہسن کا اس میں شیرہ ہو

ہوں دہی میں مسالے سب آمیز ‏ نون چکھ لینا ہو نہ جائے تیز

خوانچے والے کی صدا ہے یہی ‏ چاٹ ہے یہ بڑے مسالے کی

اور اگر گلگلے پکانے ہوں ‏ یا شکرپارے کچھ بنانے ہوں

گلگلوں کا تو آٹا پتلا ہو ‏ اور اس میں خمیر اچھا ہو

لیکن اس میں مٹھاس اچھی ہو ‏ خواہ گڑ کی ہو یا شکر کی ہو

کھانڈ ہو قند ہو کہ شکر ہو حسب مقدور جو میسر ہو
میٹھی ٹکیوں کے آٹے میں ڈالو اور روغن بھی اس میں قدرے ہو
آٹا گوندھو تو سخت اچھا ہو چکلے بیلن پہ گر یہ کھٹرتا ہو
پھر سینی میں آٹا پھر ڈالو ٹکیاں کر کے اس کو پھیلا لو
کاڑھیا توے سے لو سارے اس طرح بنتے ہیں شکر پارے
ساگ یا لگ کا اس طرح پکائیے پہلے بیسن کو خوب سا تلیے
ساگ کو پھر لپیٹ کر اس میں ہاتھ سے پھر کڑاہی میں ڈالیں
یہ ذرا نیچے سے جا پڑے دیکھو چھینٹ آپٹ کر نہ آپڑے دیکھو
پھلکے پڑ جائینگے ہتھیلی پہ تا بچی پھرے گا حویلی میں
سن کے سب نے کہا کہ باجی جان اس کو تو چاہیے بڑا سامان
کوئی ہنڈیا پکائے اب تو سہل سی شے بتائیے اب تو
کیونکہ بکتی ہے کہنے بریانی بولی زہرن کہ تو ہی دیوانی
ہم تو پکوان ہی پکائیں گے دوسری چیز کو نہ کھائیں گے
جا اماں کڑاہی لا کر دے اپنے ہاتھوں سے مانجھ لگی ہیں
پھر تو بازار سودا لینے جا جو جو باجی بتائیں وہ لا۔
گھی بھی گھر میں نمک بھی گھر میں ہے شکر کیا ہر شہر کی نظر میں ہے
گل گلوں میں تو گڑ کی کھاتی ہو میٹھی ٹکیوں کو کھانڈ آنی ہے
بیسن آ رہا ہے پھلکیوں کے لیے آٹا گھر میں ہے گل گلوں کے لیے

لادے تھوڑا سا جا کے میٹھی تیل — اس طرح آئیو کہ جیسے ریل
تو نے جانا جو تو نے دیر لگائی — لونڈی بولی کہ بیوی آئی بی
دم بھر میں لے آئی وہ جا کر — سارا سامان رکھ دیا لا کر
گھر کی کنڈی لگائی زعفرن نے — آگ سلگائی اٹھ کے زرین نے
لا کے برتن رکھے امامن نے — آٹا گوندا ہوا حمیدن نے
پہلے گھی کی پکائیں سب چیزیں — ڈالا پھر تیل کو کڑاہی میں
تلا پھر کر کے کڑا ہلسیا پھلکے — نکل گئے پھر وہ تلے جو باقی تھے
رہ گیا جب کڑاہی میں پھلکی — آیا زعفرن نے یہ نکالا کھیل
بولی ہم بھی پکائیں گے باجی — تھوڑا سا دیجئے ہمیں بھی گھی
بولی زرین کہ گھی نہیں ہے بوا — تو ہی جا لے جو مرتبان چھوا
اماں ہوں گی خفا ضرور اٹھ کر — بولی زعفرن کہ جی حضور اٹھ کر
کیا کریں گی ہمارا اماں جان — اپنے پیسوں سے ہے یہ کیا سامان
لاکھ زرین نے اسکو منع کیا — وہ بھلا سنتی تھی کسی کا کہا
لے ہی لپکی وہ مرتبان سرکی — زرین اسپر اگرچہ بکتی رہی
لا کے ڈال ہی دیا کڑاہی میں — چھینا جھپٹی میں اس لڑائی میں
مرتبان گر کے تو الگ ٹوٹا — چپک بچک گھی سے ہو گیا کرتا
بولی زرین کہ تو بہت ہے شریر — کہا زعفرن نے ماروں گی کفگیر
سن کے زرین یہ بولی گھبرا کر — دیکھ مجھ سے نہ اتنا کلا کر

آ کے بولی حلال خوری ہے — کہا زمرن نے اسکی جھڑکی کیا
کھولئے کنڈی آنے دیجئے اسکو — چپ کے پھر دیکھے کوئی اور نہ ہو
بولی جھنگن سلام بیوی جی — منہ چڑا کر وہ بولی ای ای ای
بولی زینب کہ واہ سبحان اللہ — اپنے سے بڑوں کا یہ رتبہ
بولی جی ہاں کہینگے تم کو کیا — کیا تمہاری لگی ہے یہ کتیا
سن کے زینب یہ بولی جھونکیا — کہا بانو نے آن سے توبہ بوا
کبھی صرف ہوا بھی آپس میں — سوک سوکن کی جیسی ہوں ہیں
تم بھی خاموش ہو خدا کے لئے — کہیں جھگڑا تو جلدی سے یہ سنے
بانو سمجھا رہی تھی اتنے میں — کھل گئی آنکھ ماں کی کمرے میں
چیخ کر بولیں یہ وہ جھنجھلا کر — اری کم بختوں سونے دو دم بھر
کیا یہ آفت اٹھائی ہے تم نے — کیوں دہائی مچائی ہے تم نے
ارا مامن ادھر تو آ مردار — اری کیا ہو رہا ہے یہ تکرار
آنکھ لگنے نہ پائی تھی دم بھر — سارے گھر کو اٹھا لیا سر پر
سن کے بھاگی امامن اس گھر سے — دبے پاؤں نکل گئی ڈر سے
چپکے چپکے حمیدن اور بانو — بولیں زمرن سے بس کہا مانو
بوا تم تو گھر کو جانے دو — بات ہم تک یہ تم نہ آنے دو
بہنو بہنو کی یہ لڑائی ہے — کون پوچھے گا شامت آئی ہے
اماں گر گئیں کمرے سے اٹھ کر — تم سے پہلے ہماری لیں گی خبر

کہہ کے یہ اٹھ کھڑی ہوئیں دونوں — کھڑکی کھلوائی گھر کے جانے کو
جو تو پہنچیں ہر اک اپنے گھر — اور وہ گھر سے آ گئیں باہر
دیکھتی کیا ہیں گھر کے سب برتن — جا بجا رکھے ہیں میان صحن
اک جگہ چولہا ہے۔ کڑاہی ہے — گھر میں ہر شے کی بس صفائی ہے
مرتبان گھی کا چینی کا لوٹا — گھر میں باقی نہ ٹوٹا تک چھوڑا
ہوئیں پھر تو کہیں سے جھنجھلا کر — آ لے دو ان کو پھر میں لونگی خبر
چلے ہی ان کو یہ سب سناؤں گی — پھر میں گدبدیا بناؤں گی
سن کے آپ کی ذرا نہ زبیں نے — منہ پھلا کر کہا یہ زہرن نے
اماں تم کو تو کچھ ہے اب خفقان — کیا کریں گے ہمارا ابا جان
ان کی اس میں کچھ کمائی تھی — ہم نے ہنڈکلھیا یہ پکائی تھی
اپنے داموں سے یہ کیا سامان — سن کے بولیں یہ ان کی اماں جان
مرے گھر کا تو کر دیا گھورا — تیرے چولہے میں جائے ہنڈکلھیا
یہاں یہ باتیں ہو رہی تھیں ابھی — آئے باہر سے گھر میں ناصر علی
گھر کا دیکھا تو ہے عجب کچھ ڈھنگ — ماں سے بیٹی کی ہو رہی ہے جنگ
دونوں کی ہو رہی تھی آپس میں — زہرن آئی تھی ماں کے کہنے میں
وہ کبھی سن کے چپکی رہتی ہے — ایک سن کے ہزار کہتی ہے
بولے ناصر جی آج خیر تو ہے — کیوں یہ جھگڑا مچایا ہے تم نے
بولی بیوی کہ میں تو سوتی تھی — شور سنکر جو میری آنکھ کھلا

دیکھتی کیا ہوں صحن میں آکر — کہ یہ آپس میں کر رہی ہیں شور

گھر میں باقی رکھی نہ کوئی چیز — تم نے دی ہے یہی بس انکو تمیز

ایسی مجھ سے زبان کرتی ہیں — اب تو سب کچھ یہ کہہ گذرتی ہیں

دیکھو پھیلا پڑا ہے کیا سامان — سب نے ملکر بگاڑا ہے پکوان

گھر کی ہر شے کی خاک اڑائی ہے — اس پہ دیکھو کی یہ صفائی ہے

کہ ذرا ڈر نہیں کسی کا انھیں — چھوڑا کیا ہے تو اب تو کہیں گی کہ تمہیں

سن کے بولے یہ قاضی جی کہ حضور — یہ تمہارے ہی ہاں کا ہے دستور

ہے خطا اپنی اور یہ تسخیر — اس میں کیا ہے کہو مری تقصیر

لاڈ سے تم ان کو سر پہ چڑھاؤ — پھر الٹ کیا ہے اس میں تم ہی بتاؤ

لاڈ جو کرتے ہیں وہ دشمن ہیں — اپنے حق میں وہ کانٹے بوتے ہیں

ماں ہی رکھتی ہے جان و دل عزیز — ماں ہی دیتی ہے لڑکیوں کو تمیز

باپ لڑکوں کو دیتا ہے تعلیم — ہے بڑوں سے اسی طرح تقسیم

میرے ہوں یا تمہارے ہوں شفیق — سب کو خالق نے دی ہے یہ توفیق

جو ہو دنیا میں صاحب اولاد — ڈالے ہرگز نہ لاڈ کی افتاد

ابتدا میں تو پیارا پیارا ہے — آخر اس کا برا نتیجا ہے

ہے الف نون کی یہ حق میں دعا — نیک اور کم سخن ہو شخص تو ا-

محمود شاہ

تھا ملک عجم میں ایک سلطان
موصوف بعدل و داد و احسان

کسریٰ سے فزوں تھی اس میں نصفت
حاتم سے تھی زیادہ اس میں ہمت

رستم سے دلاوری میں افزوں
حکمت میں سوا تھا وہ فلاطوں

القصہ وہ شاہ بحر الفت
رکھتا تھا بحال خلق شفقت

تھا گشت کناں وہ شب کو جوں ماہ
تا خلق کے حال سے ہو آگاہ

اک شب جو وہ شاہ گھر سے نکلا
رہ میں ہوئے چار شخص پیدا

کہنے لگے شاہ سے کہ اے مرد
تو کون ہے ماجرا بتا کر

جاتا ہے کہاں سے تو کہاں یار
شب گردی سے تجھکو کیا سروکار

بولا شہ سنکے بے تامل
کرتے ہو عبث یہ شور اور غل

جو تم ہو سو میں جو میں سو ہو تم
کرتے ہو حواس اپنے کیوں گم

تقریر یہ شاہ کی وہ سنکر
کہنے لگے تجھ میں کیا ہے جوہر

شاہ نے کہا پہلے تم بتا دو
پھر میرے کمال کا پتا لو

چاروں میں سے ایک تن یہ بولا
حیواں کی ہوں گفتگو سمجھتا

کہنے لگا دوسرا یہ سنکر
بتلا دوں دفینہ ہو جہاں پر

کی تیسرے شخص نے یہ تقریر
کرتا نہیں نقب میں تاخیر

ہو سنگ و حدید کا اگر — کردوں اک پشت پا میں سوراخ
چوتھے نے کہا یہ سنکے فی الفور — اب میرے کمال پر کرو غور
یعنی جسے ایک بار دیکھوں — سایہ سے شناخت اس کی کروں
جب کہہ چکے وہ کمال اپنا — شہ نے کہا کہہ تو حال اپنا
شہ نے کیا اپنا حال ظاہر — ہوں گو میں بہت فنوں سے ماہر
اعجوبہ ولے یہ ایک ہے فن — مجرم کوئی ہووے مرد یا زن
جرم ایسا کہ ہووے لائق دار — دے قتل کا حکم شہ بتکرار
میں سر کو جو دفعۃً ہلا دوں — ہو قتل سے وہ اسیر رہا ہوں
یاروں یہ فن کے فن فائق — بولے کہ ہیں آپ سب سے لائق
القصہ وہ پانچوں تن خراماں — چوری کو چلے وہاں سے شاداں
پہنچے جوں وسطِ شہر میں جا — اک سگ عف عف سے پیش آیا
حیواں کے سخن کا تھا جو دانا — سب نے کہا اوسکو ہاں بتانا
کتا کیا کر رہا ہے گفتار — کہہ فکر صحیح سے تو اے یار
بولا یہ کہہ رہا ہے حیوان — ہے ان پانچوں میں ایک سلطان
پھر سب نے باتفاق پوچھا — ہے کون سا ان میں شاہ بتلا
کہنے لگا ایک شخص یاراں — موقع ہے نہیں تمیز کا یاں
جس کام کی کو چلے ہو نیت — انجام میں اس کے بعد حجت
آگے کرو اب اوسکے روانہ — بتلائے جو موقع خزانہ

بالقصہ ہوا وہ آگے ہشیار | تھا جو کہ خزانے سے خبردار
دیکھا تھا جہاں خزانۂ شاہ | پونچا وہ اسی جگہ پہ ناگاہ
کہنے لگا نقب زن سے اکبار | ہو نقب تو لپٹ پاسوب پار
چالاکی سے نقب زن نے جا کر | جس جا تھا خزانہ ماری ٹھوکر
ایک ہی ٹھوکر سے نقب تھی پار | حیران ہوئے اوسکو دیکھکر یار
اور شاہ کو تھا سخت طیش و حال | یعنی کہ اوسی کا تھا وہ سب مال
پھیر سوچکر اون کو کی تسلی | اس وقت میں ہے روا خموشی
بارے کچھ کر کے ٹھیک صلاحت | اندر گئے چار تن بسرعت
پھر ان سے کہا کہ تو بھی آجا | شہ عقل کو ہو کے کار فرما
کہنے لگا اون سے یوں بتکرار | در آنا مجھے نہیں سزاوار
رہنے دو مجھے مکان کے باہر | کھولوں تا حال یہاں کا تم پر
یہ کہکے وہاں سے شہ نے لی راہ | اور جا کے کیا عسس کو آگاہ
ہوتا ہے تباہ شاہ کا مال | کیا ہوگا تمہارا صبح کو حال
یہ سن کے عسس ہوا روانہ | لی شاہ نے واں سے راہ خانہ
پونچا جوں کوتوال اُس جا | دیکھا تو ہے مال شاہ کا لٹتا
کر کے پھر حملہ اوس نے یکبار | ان چاروں کو کر لیا گرفتار
پونچتے ہی کر لیا اس در پر | لے پہنچا وہ بادشہ کے در پر
جس دم شہ نشین میں تھا بیٹھا | فوراً وہاں کوتوال پونچا

بہ از تقدیم رسم تسلیم — اور لا کے بجا طریق تعظیم

چوروں کی بیاں کی حکایت — ظاہر پھر اپنی کی شجاعت

پاکر پھر حکم بادشہ سا — حاضر کیے چاروں جو اس جا

فرمایا یہ شہ نے کرکے غصہ — کیا تم نے لیا تھا یہ پیشہ

اچھے نہ تھے تمہارے کردار — اب دار ہی تمکو ہے سزاوار

پھر حکم ہوا عسس کو فی الفور — کر چاروں کو قتل جا کے جلدی

پاکر یہ کوتوال ایما — لے چاروں کو اپنے ساتھ نکلا

اُن سب میں سے جو مرد تھا دانا — کہنے لگا یوں بہ رمز و ایما

یہ شاہ جو تخت پر ہے بیٹھا — دیکھا ہے ضرور اسے کسی جا

دانست پر اپنے پھر یقین کر — بولا یہ سب کو بہت مقرر

کی چاروں نے پھر عسس کی منت — ہے دل میں ہمارے ایک حسرت

ہے مرنے کو اپنے یعنی تیار — دیکھیں سلطان کو اور ایکبار

سن کر یہ عسس نے قول پر پاس — حاضر کیا ان کو شاہ کے پاس

سلطان نے پھر دفعۃً وہاں جو دیکھا — فرمایا کہ اب یہ کہتے ہیں کیا

بولے سب دست بستہ مل کر — سلطان نے ہمارے دیکھے جوہر

ہم چاروں تو قتل ہوتے ہیں اب — آپ اپنا سر ہلائیں گے کب

شاہ نے یہ التماس سنکر — فرمایا عسس سے مسکرا کر

گو قتل کے بھی یہ سب سزاوار — بخشا پر میں نے ان کو ناچار

امید ہے روز حشر داور — جب ہوویں کھڑے شاہد و ابرار مضطر
بندوں کی کرے معاف تقصیر — اور عفو گناہ ہو نہ تاخیر
رحمت میں ہر ایک کو جگہ دے — زحمت سے عذاب کے بچائے
ہو گرچہ خطا و ظلم ہم سے — گزرے ہے کریم کب کرم سے

وفائے عرب

سنا ہے کہ نعمان منذر اک افسر — ہوا ہے عرب میں بڑا نام آور
فصیح و وضیع و دلیر و دلاور — خود آرائے و خود رائے و خود بین و خودسر
ندیم اس کے تھے خالد اور ابن مسعود — حضوری میں رہتے تھے ہر وقت موجود
ہوا ان پہ ناگاہ وہ خشم آلود — دیا حکم سوچا نہ سمجھا برابر
کہ دونوں کو تابوت میں بند کر دو — گڑھوں میں انہیں ڈال کر آگ بھر دو
یونہی جیتے جی تا کہ مر جائیں ہر دو — رہا حکم آخر یہ تعمیل پا کر
یہ مرگ مفاجات تھا حکم حاکم — رہا پھر نہ نعمان کا غیظ قائم
وہ اپنے کیے پر ہوا سخت نادم — تاسف کا گہرا جما رنگ دل پر
پڑے تھے جو نعمان کے دل میں چھالے — اثر تھے جو سینے میں جانکاہ تاسف کے
بڑے شد و مد سے سر اپنے نکالے — ہوئے ظاہر اس طرح صورت بدل کر
دیا حکم نعمان منذر نے فوراً — مزار ابن مسعود و خالد کا مدفن

جو دیکھا اُسے دور کی اک سی گرد — بہ منت رکھا اپنے ڈیرے میں لاکر
اگرچہ نہ تھی اس سے کچھ جان پہچان — مگر فطرتاً تھا وہ ہمدرد انسان
بہت کچھ کیا پاس ناخواندہ مہماں — کیا ذبح اک گوسپند اس نے بہتر
تواضع مدارات کی تابہ امکان — بہت خوش ہوا اس کی خاطر سے نعمان
کہا حنظلہ سے کہ اے جان مہماں — کبھی آپ بھی آئیے گا مرے گھر
گیا پاس نعمان کے حنظلہ جب — امید اس کو یہ تھی بر آئیگا مطلب
نکل آئے گا فائدہ کا کوئی ڈھب — مگر بوس کا روز تھا وہ مقرر
کہا ابن منذر نے اے میرے محسن — مرے پاس آیا ہے تو کیا کروں
تری جان بچنی ہے اب غیر ممکن — پئے قتل آمادہ ہو جا برادر
کہا حنظلہ نے بصد یاس و حسرت — مجھے کیا خبر تھی یہ آئیگی آفت
امیرا! اک برس کی ملے مجھکو مہلت — پھر آتا ہوں میں بال بچوں سے مل کر
کہ کچھ بندوبست انکی جینے کا کر دوں — اناج اور پانی بھی تھوڑا سا بھر دوں
پھر اس طرح مرنے کی اپنے خبر دوں — مرے بعد بھوکے پھریں وہ نہ دربدر
کہا سن کے ابن منذر نے اچھا — مگر ہاں ترا کوئی ضامن بھی ہوگا
نہ آئے اگر تو تو ہو قتل کس کا — یہاں کوئی اپنوں میں ہے تیرا یاور
یہ سنتے ہی پہلے تو گردن جھکا لی — نظر پھر ہر اک شخص پر آس نے ڈالی
بہت سے تھے حاضر حوالی موالی — وہاں تھا شریک عمر اک دلاور
ذرا غور سے حنظلہ نے جو دیکھا — شریک عمر اس کا نکلا شناسا

کسی طرح ہو قتل ابن عمر کا — کہ بس ہے حنظلہ اپنا محسن سراسر

شریک عمر کا بہت ملتجی تھا مگر — ہوا قتل کرنے کو جلاد حاضر

وہ تنگ اس قدر تھی کہ ہو دن آخر — بچھایا گیا ایک چمڑا زمیں پر

ہوا رنگ جیسے ہو جب بالکل ہی زرد — پڑا تھا یہ پے قتل جلاد بے درد

کہ صحرا میں جانب سے اڑنے لگی گرد — یکایک نگاہیں پڑیں سب کی اس پر

یہ آپس میں کہتے ہیں سب ٹھیر کیا ہو — کہ ظاہر ہوا اک سوار آرہا ہے

کہا اک نے پہچان کر حنظلہ ہے — کیا حنظلہ نے سلام آ گئے آ کر

کفن سر سے باندھے وہ گھر سے چلا تھا — بہت غور سے ابن منذر نے دیکھا

بڑی دیر تک حنظلہ کا سراپا — کہا اس سے اے نیک مرد دلاور

یہاں تک تجھے پھر کون کھینچ لایا — مگر گیا تو نہ موت سے بچ گیا تھا

کہا اس نے "میری وفا۔ عہد میرا" — دل اس کا بہت کچھ پسیجا یہ سنکر

ہمیشہ کو یہ رسم کی ترک اپنی — رہا ہو گیا حنظلہ ابن طائی

شریک عمر نے بھی پائی رہائی — وفائے عرب کی ہے یہ فرد دفتر

غرور کا سر نیچا

اک بڑا درویش تھا عزلت گزیں — تارک الدنیا تھا اور صحرا نشین۔

اہل دنیا سے نہ اس کو اختلاط — اہل دیں سے کچھ نہ ہرگز ارتباط

تھا مجرد بادۂ وحدت سے مست — یکہ و تنہا تھا وہ یزداں پرست

تھا عبادت میں خدا کی مشتغل ہو رہا تھا جسم اُس کا مضمحل

نفس پر اپنے کیا تھا اُس نے جبر تھا وہ قانع حکمرانِ ملکِ صبر

نیک و بد سے کچھ نہ اُس کو کام تھا رنج و ایذا میں اُسے آرام تھا

دھوپ میں رہتا تھا دن بھر تا بشام بھیگتا تھا اوس میں شب کو مدام

مینہ برستا تھا تو کچھ پروا نہ تھی آندھی آتی تھی تو کچھ ایذا نہ تھی

نام کا طالب نہ مال و جاہ کا حال تھا اُس کا فنا فی اللہ کا

اپنی طاعت پر مگر مغرور تھا ساحتِ قربِ خدا سے دور تھا

اتفاقاً ایک شاہِ نامدار ایک دن آیا اُدھر بہرِ شکار

دیکھ کر درویش کو شوریدہ مو پا پیادہ ہو کے آیا روبرو

دست بستہ ہو کے با صد احترام صدقِ نیت سے کیا جھک کر سلام

پر نہ کی درویش نے کچھ التفات جان کر ناچیز ہرگز کی نہ بات

دیر تک حاضر رہا وہ بادشاہ پر نہ کی درویش نے مطلق نگاہ

مسلم تھا وہ سلطاں تھا غنی وہ نہ رکھتا تھا تکبر اور منی

تھا بظاہر شاہ باطن میں گدا دست بستہ سر جھکائے تھا کھڑا

دیکھ کر یہ جل گیا اُس کا وزیر اور کہا نزدیک آ کر اے فقیر

کیوں نہیں سلطان کا لیتا ہے سلام کیا ہوا ہوتا نہیں تو ہم کلام

طیش کھا کر اس طرح بولا فقیر تو سگِ دنیا ہے اور تیرا امیر

کیا سگوں سے آدمی ہو ہم کلام پختہ مغزوں کو نہ چھیڑا کر تو خام

ہو گئے پر ہم اُس گھڑی بولا وزیر — بولتا ہے کس طرح تو لے فقیر

واجب التعظیم شاہنشاہ ہے — صاحب عزت ہے ظل اللہ ہے

کہہ تو ابراہیم ہے کیسے نبی — اُن سے تو افضل نہیں ہی ہے کبھی

نقل ہے ایک دن کی در اثنائے راہ — آگے جاتے تھے نبی اور پیچھے شاہ

ناگہاں پہونچا یہ حکم کردگار — تم ہو پیچھے آگے ہووے شہریار

یعنی دی ہے جنے اُس کو عز و جاہ — واجب التعظیم ہے یہ بادشاہ

جب یہ حکم خالق اکبر ہوا — آگے سلطان پیچھے پیغمبر ہوا

کافروں کا تھا وہ سلطاں ای گدا — ہے امام المسلمین یہ بادشاہ

یہ سخن سن کر ہوا وہ لال رخ — ہو گئے غصے کی مارے گال سرخ

فحش کہنے پر ہوا ہمت چست — جو جو آیا منہ میں بولا سخت سست

دمبدم کہتا تھا لاکر پیچ تاب — ای شیاطین دور ہو یہاں سے شتاب

دفع ہو گم ہو لعیناں بدعمل — مت کرو اوقات میں میری خلل

ہو گئے آزردہ نہایت شہریار — اپنے گھوڑے پر ہوا آخر سوار

پھر یہ تکبیریں کہا سن ای وزیر — تارک الدنیا ہوا تیرا امیر

جب ہوا مستغنی گدا محتاج شاہ — ہیچ ہے واللہ ملک و مال و جاہ

جب گدا سلطان کو خاطر میں نہ لائے — کیوں نہ ملک و مال سے وہ ہاتھ اٹھائے

عرض کی اُس نے کہ اے فرمانروا — یہ سخن ہرگز نہیں تم کو روا

تم کو ایزد نے دیا ہے تخت و تاج — ہر کہ و مہ کی ہے تم تک احتیاج

وہ گیا اور ہوا سہمے سے شہریار | بات کا مجنون کی کیا ہو اعتبار
تا کہ اس کا شیا نہیں ہو شوریدہ مست | بارہ کثرت سے یہ مجنون مست
تند ہو کر شاہ نے پوچھا اس سے وزیر | جانتا ہوں میں اسے کامل فقیر
تجھ کو جانوں اس گھڑی صادق مقال | جب فقیر آکر کرے مجھ سے سوال
عرض کی آپ سے لئے یہ کچھ مشکل نہیں | آپ کیا کہتے ہیں وہ کامل نہیں
ہو مبارک شاہ کو شاہنشہی | بھیک یاں منگواؤ اس سے تو سہی
الغرض سلطان سے مہلت کی طلب | گھر گیا اپنے مشیر با ادب
کٹنیاں نوکر رکھیں کچھ نذر و فتوح | تھیں وہ مکاری میں شیطان سے فزوں
اور کہا درویش کو جا کر کرو | جس طرح ہو مائل دنیا کرو
قصہ کوتہ جمع ہو کر کٹنیاں | تھیں واں درویش بیٹھا تھا جہاں
چھپ کر بیٹھیں آکے پیڑوں کی سب | دیکھیں تا اوقات اسکے روز و شب
صبح سے تا شام وہ یزداں پرست | تھا مراقب سر جھکائے اک نشست
شام کو بھوکا ہوا جب دردمند | جھومتا اٹھا کر آنکھوں کو بند
سامنے تھے کچھ درخت بے ثمر | ان درختوں میں گیا آشفتہ سر
بید کا پودا تھا اک اس جا ہرا | اک چکت درویش نے اسمیں بھرا
الغرض اسطرح کی تسکین جوع | پھر ہوا حق کی عبادت میں رجوع
آ کے بیٹھا پھر عبادت گاہ میں | مستعد تھا طاعت اللہ میں
رات دن بیدار تھا وہ زندہ دل | ذکر باری تھا زبان پر متصل

خواب کا مغلوب جس دم ہو گیا — رکھ کے سر زانو پہ اک دم سو گیا

بعد اک ساعت کے پھر ہشیار تھا — بھیج تک وہ زندہ دل بیدار تھا

الغرض تھا روز و شب اسکا یہ حال — کچھ نہ کھانے کا نہ پینے کا خیال

تیسرے دن پھر یہ اٹھ کر گیا — بالضرورت کھائی کچھ بیخ گیا

بعد ازاں تھوڑا سا پانی پی لیا — شکر نعمت حق تعالےٰ کا کیا

کتنا ہی دس پندرہ دن واں رہا — دیکھ اس کے زہد کو حیراں رہا

بسکہ مجموعہ تھیں سب تزویر کی — آخرش بل عمل کے یہ تدبیر کی

تھوڑا سا حلوا پکایا آب و تاب — زعفران و مشک ڈالا اور گلاب

قدر میں حلوائے منقوط سے عزیز — جس میں ڈالی کشمش و لوز و مویز

جس گھڑی دیکھا کہ ہے نزدیک شام — بید پر حلوا لپیٹا وہ تمام

شام کو معمول سے اٹھا فقیر — تھرتھراتا بھوک سے حالت تغیر

مثل مجنوں بید کے پہنچا قریب — خوش ہوا دل بوئے مشام طیب

ہو گیا تر بوسے خوش سے مغز خشک — بید سے آتی تھی بو نہ بید مشک

الغرض مارے ہی جکت درویش نے — پائی لذت بھوک کی دل ریش نے

تر ترانا منہ میں حلوا آ گیا — اسکو سمجھا منّ و سلوا آ گیا

بید کے نیچے کیا سجدہ ادا — اور کہا احسان تیرا اے خدا

تو نے مجھکو رتبۂ موسےٰ دیا — منّ و سلوا کے بدل حلوا دیا

یہ نہ سمجھا سجدہ حق ناحق گئے — حلوا کھانے کے لئے منہ چاہیئے

نان حلوا گر ہے شیطان کا — رزق ہے نان و نمک انسان کا

الغرض جب آ کے بیٹھا حق شناس — بعد اک دم کے لگی شدت سے پیاس

پانی پینے کو اٹھا نسبکو عسل — آگیا اوقات میں اسکے خلل

نہر پر جا کر پیا تھوڑا سا آب — پھر عبادت گاہ میں آیا شتاب

ایک دم گزرا نہ تھا اسکو ابھی — ناگہاں حاجت ہوئی پیشاب کی

پھر عبادت توڑ کر اٹھا غریب — کیا ہی بولایا ہوا تھا بد نصیب

بول سے جس دم فراغت کر چکا — پھر عبادت کی طرف آکر جھکا

ایک ساعت بھی ابھی گزری نہ تھی — حاجت بیت الخلا ناگہ ہوئی

پھر لگا سا اٹھ کے دوڑا لاعلاج — نہر پر کی جا کے رفع احتیاج

الغرض حالت ہوئی اسکی عجیب — ہو گئی اٹھ بیٹھنے میں نصف شب

نیند آنکھوں میں یکایک گھل گئی — ایک ہی دم میں قلعی کھل گئی

پاؤں دونوں خاک پر لمبے کئے — صبح دم تک خوب خراٹے لئے

صبح کو اٹھا تو آنکھوں میں خمار — دن کو بھی حلوے کا تھا امیدوار

چاٹ پر ایسا لگا وہ بد معاش — رات دن حلوے کی کرتا تھا تلاش

دوسرے دن دو چکت جا کر لگا کر — تیسرے دن تین لقمے اس نے کھائے

اگلی پر ہوتا تھا ہر روز دلیر — پھر تو چٹ کرتا تھا حلوا آدھ سیر

چاٹ دن کو بھی غرض پانے لگا — شام سے آسودہ ہو کھانے لگا

کیونکہ ہر روز لگی ہونے زیاد — کم لگا کرنے عبادت بایہتماد

رات دن سونے لگا آرام سے — ہو گئی نفرت خدا کے نام سے
وہ غذا وہ آب وہ ٹھنڈی ہوا — تھوڑے عرصہ میں بہت موٹا ہوا
چہرے پر آئی سفیدی صبح وار — دل ہوا مشغول شب دیجور تار
کیچلی سی ڈال دی نکلا اجال — ہو گئے رخسار دونوں لال لال
کٹنیوں نے جب گھڑی دیکھا یہ حال — مکر اک تازہ کیا تجویز اور
ایک عورت خوب صورت خوش جمال — دل فریب و نیک منظر پر شمائل
شہر سے تعلیم کر کر لائیاں — اُس کو باتیں مکر کی بتلائیاں
شام کو درویش کی بھیجا حضور — آپ لیکن چھپ رہیں کچھ اپنے دور
آ کے عورت نے کیا جھک کر سلام — اک نگاہ میں ہو گیا عابد غلام
ہنس کے یوں کہنے لگا اے دلربا — کون ہے تو کیوں یہاں آئی بتا
عرض کی اُس نے کہ اے والا جناب — آج کی شب میں اک دیکھا ہے خواب
مثل زہرہ میں فلک پر ہوں بلند — مجھ سے کہتے ہیں ملک اے ارجمند
جا فلاں نے دشت کی جانب شتاب — ہے وہاں درویش عالی جناب
بید کا پودھا وہاں اک بار ور — بیٹھے ہیں اس بید کا حلوا ثمر
جا کے تو اس نخل سے ہو مستفید — تاکہ تو کونین میں ہووے سعید
سُن کے عابد نے کہا سچ ہے یہ خواب — بید کے نیچے اُسے لایا شتاب
مارے شہوت کی ہوئی حالت تغیر — تب تو نیچے جھاڑ کے چمٹا فقیر
کیا بڑا درویش ملعون ہو گیا — بید کے سائے میں مجنوں ہو گیا

کشتیاں کوئی تھیں سہ فصت ہنس کر شہر پر | بہت تیرا کالا ہو منہ بھڑوے فقیر
الغرض دونوں وہاں کچھ دن رہے | گرسنہ اتنے دنوں لیکن رہے
ہو سکا جو کچھ کہ ہونا تھا وہاں | اب جو بیا ہو مید ہیں حلوا کہاں
آخرش عورت لگی کہنے فقیر | بھوک سے حالت ہوئی میری تغیر
اب نہ رکھ امید حلوا ہاں سے چل | ہو نہ اپنی ہی اسے بد عمل
شہر میں ناچار آیا دل حزیں | دشت غربت سے ہوا عزت گزیں
چار ابرو کی صفائی کر نشست | سیلی ناکا مثل ٹھنکی کر درست
پھر گدائی در بدر کرنے لگا - | زندگانی یوں بسر کرنے لگا
بوڑھو رسے دن سے اک لڑکا ہوا | خرچ کا تب اور بھی دھڑکا ہوا
مارے بھوکوں کے ہوا تھا انتقال | ہر کسی سے کرتا پھرتا تھا سوال -
کشتیاں اک دن ہوئیں رہ ڑو چار - | اور کہا سنیو اے دل فگار -
جلکے تو دوڑ ہی پہ شہ کی لی خبر | جیب میں سارے گدا بھرتا ہے زر
سن کے یہ دوڑا درِ شہ پر گیا | ساتھ جورو اور بیٹے کو لیا
کشتیاں دوڑ سی گئیں نزد وزیر | اور کہا آیا گدا سوئے امیر
جس گھڑی آیا وہ سلطاں کے حضور | تب کہا سلطان نے اے پُر غرور
یاد کر اس دن کے تو اپنے کلام | میں کھڑا تھا تو نہ لیتا تھا سلام
کیا خبر ہے آج کیا تیرا ہے حال | جو ترا مطلب ہو مجھ سے کر سوال
رو دیا درویش نے سن یہ سخن | کچھ نہ مانگا واں سے نکلا نعرہ زن

راکھ بیگم

راکھ بیگم کی یہ کہانی ہے — جو پڑھے گی اسے وہ رانی ہو
ایک امیر آدمی تھا دلی کا — جس کی دولت کا تھا بڑا شہرہ
اس کی بیوی تھی ایک نیک صفات — چین سے اس کے کٹتے تھے اوقات
اس کی چھوٹی سی ایک بیٹی تھی — اس کو وہ جان سے پیاری تھی
نام رکھا تھا اس کا سلطانی — اس کی رنگت گلاب کی سی تھی
جب ہوئی چھ برس کی وہ لڑکی — ماں کو حکم قضا سے موت آئی
گھر میں کہرام ہو گیا برپا — سب محلہ پہ رنج و غم چھایا
ساری بی بی سے سب کو الفت تھی — کیونکہ اس میں بڑی سخاوت تھی
لڑکی بے ماں کی رہ گئی دکھیا — کون اب اس کو پیار سے رکھتا
باپ نے کی جو دوسری شادی — ہو گئی پھر سے خانہ آبادی
لڑکی سمجھی کہ ماں ملی اس کو — تھی خوشی اس کی ننھی سی جی کو
لڑکی کی ماں مگر تھی سوتیلی — وہ بھلا پیار اس کو کیوں کرتی
اب ستم ہونے لگے اس کی جان — کر دیے نیلے اس کے پھول سے گال
رات دن اس کو مارتی ڈائن — پھول سا جسم کر دیا بے جان
نام رکھا بچاری سلطانی — اپنی ماں کو وہ یاد کرتی تھی

میری ماں اب جیو نگی میں کیونکر مجھکو اپنے پاس بلوا لے
میں تری گود میں پلی اماں مجھ کو پالا پیار سے اماں
میری حالت تو دیکھ آ کے ذرا ہائے تجھے بن میں رہ گئی دکھیا
مجھ کو تو اس طرح سے بھول گئی مجھ کو تو کس پہ ہائے چھوڑ گئی
ہائے ماں ہائے ماں جو کرتی تھی اس پہ وہ اور اُسے کھلتی تھی
بیت گئے اُس کے کئی سے آخر کار اور کٹی رات دن کی اُس بیچار
باپ بھی اُس کی پوچھ نہ کرتا تھا ایسی جو رو سے وہ بھی ڈرتا تھا
دو ہوئیں لڑکیاں جب اُس کو بھی اب قیامت پہ اور قیامت تھی
اُن کو پہناتی اچھے سے اچھا اور کھلاتی بھی اچھے سے اچھا
یعنی سلطانی سے وہ گھر کا کام اور عداوت سے اُس کا بدلا نام
راکھ بیگم وہ اُس کو کہتی تھی دل جلی کو وہ اور جلاتی تھی
راکھ بیگم پہ جب یہ صدمے پڑے صبر سے اُن کو وہ لگی سہنے
دونوں بہنوں کی تھی وہ پیاری خدمت اُن کی وہ روز کرتی تھی
بہنیں عمدہ لباس میں مغرور راکھ بیگم جو لے گیا مقدور
اب سنو یہ شبو اک مزے کی بات بادشہ کے یہاں رچی بارات
تھا بڑا ناچ رنگ کا جلسہ ایسے جلسے کا کیا بھلا کہنا
سب امیروں کی واں ہوئی دعوت دونوں بہنوں کی بھی ہوئی دعوت
راکھ بیگم کو کون جانتا تھا کہ اُسے بھی محل میں بلواتا

دونوں بہنوں کے ٹھاٹ باٹ کا کہنا — ان کا سونے کا سارا تھا گہنا
کیا رانی تو رہتی تھیں بیٹھی سامنے — تھیں اکڑتی غرور کے مارے
راکھ بیگم سے دونوں کہتی تھیں — آپ جلسہ میں کیوں نہیں چلتیں
بات بہنوں نے طنز سے کی تھی — راکھ بیگم نے ایک آہ بھری
اور کہا ہم تو راکھ بیگم ہیں — دھول بیگم ہیں خاک بیگم ہیں
راکھ بیگم تو یاں رہے دیکھا — بادشاہ آج ہی کیوں بلائے گا
بولیں بہنیں کہ سچ کہا تم نے — ایسے جلسوں کی تم کو ذلت ہے
تم اکیلی ان کا وہاں بھلا کیا کام — لوگ دیکھیں تو ہم کو رکھیں نام
اچھا تم گھر کو صاف کر رکھنا — جب تلک ہم نہ آئیں مت سونا
بات کہتے ہی میں دونوں چل گئیں — اور جلسہ کو وہ روانہ ہوئیں
راکھ بیگم اکیلی رونے لگی — اپنا منہ آنسوؤں سے دھونے لگی
ایسی روئی کہ بندھ گئی سسکی — ماں اسے اپنی یاد ہوتی تھی
اپنے جی سے وہ رو کے کہتی تھی — ایسے ہم ہوتے ماں اگر ہوتی
راکھ بیگم کو جب نہ کل آئی — اک پری آسماں سے آئی
راکھ بیگم کے سر پہ ہاتھ پھیرا — بولی کیوں روتی ہے تو اے بیٹا
تو نہیں جانتی میں ہوں موجود — بیٹی تو نے پیا ہے میرا دودھ
میں پری قاف کی ہوں شہزادی — ابھی تیرے لئے ہوں سب لاتی
میں تو موقع کے انتظار میں تھی — بول کیا چاہتی ہے اے بیٹی

ساز و سامان سب جواہر کا — لعل پکھراج اور ہیروں کا

زور میں ایک ایک جوان ہاتھی — تیز چلنے میں جیسے تیز آندھی

راکھ بیگم سے اب پری بولی — کوچ میں ایک اور ہے بیٹی

جا بجا موش دان تو سے آ — دیکھ تو اس میں ہے کوئی چوہا

راکھ بیگم جو موش دان لائی — اس میں چوہوں کی ایک پلٹن تھی

ایک چوہا سبھوں سے تھا بھاری — اس کی گز بھر کی لمبی تھی داڑھی

بس پری نے چھڑی چھوائی جو — کوچ میں ہو گیا او ہو ہو ہو

اس کی وردی تھی ساری زنبقی — اس کی پیٹی تلک جڑاؤ تھی

سر پہ اس کے تھی لال کی کلغی — مونچھ ایک ساتھ ساتھ سو گز کی

راکھ بیگم کی کیا بیاں ہو خوشی — ناچتی تھی وہ رابعہ بی بی

تھی جو سائیسوں کی کمی باقی — راکھ بیگم سے وہ پری بولی

سیموں کے جھاڑ میں تو جا ری جا — گرگٹوں کا وہاں ہے اک جھتا

راکھ بیگم نے جھاڑ کو جھاڑا — گرگٹوں کا گروہ سب بھاگا

لے لئے اب پری نے چھ گرگٹ — اور چھوا دی انھیں چھڑی جھٹ پٹ

سب وہ سائیس بن گئے فوراً — تم تو گرگٹ کو جانتی ہو بہن

وہ بدلتا ہے رنگ کو اپنے — لال سے زرد اور سیاہ سبز

بس اسی طرح سے یہ سائیس — رنگ اپنے بدلتے ستائیس

وہ وہاں بھی بدلتیں رنگ اپنے — کوٹ کالے تھے اب ہوئے پیلے

ابھی پیالے سے ہو گئے حنا کی | دو منٹ بعد آ گئی لالی
ایسے سائیس کس کے پاس ہوں گے | گھوڑے سائیس سب لکھو کے تھے
رانی بیگم نے اب پری سے کہا | مجھ کو بھی دیجئے نیا جوڑا
رانی بیگم تھی جیسی پہن کر کھڑی | بس پری نے چھوائی اس کی چھڑی
ہو گئے اس کے کپڑے ریشم کے | بیل بوٹے تمام سونے کے
ہیرے اور لال نیلم اور موتی | جن کو دیکھے سے عقل گم ہوتی
پائے جامہ میں لاکھ کتنی کلیان | اور دوپٹے کا اس کی کیا کہنا
اس کا تھا دس کروڑ کا رومال | باقی جوڑے کا خود سمجھ لو حال
رانی بیگم کو پھر چھڑی سے چھوا | اس کے زیور کا بس تھا کیا کہنا
اس کے کنگن سفید ہیرے کے | اس کے بالے تھے سرخ لالوں کے
اس کا جھومر تھا چاند تاروں کا | آرسی پہ بڑا سا لعل جڑا
اس کا پازیب چھاگلیں جوشن | سب جواہر کے تھے وہ جو بھی ہیں
پاؤں میں اب پہنائی گرگابی | جو کہ ہیرا تراش کے تھی بنی
رانی بیگم سے اب پری نے کہا | اچھا جلسے میں جاؤ تم بیٹا
اک نصیحت مگر سناتی ہوں | اور اب قاف کو میں جاتی ہوں
اس کو تو بھولنا نہیں بیٹی | ورنہ کچھ تجھ پہ آفت آئے گی
جلسے سے دو بجے چلی آنا | نہیں پھر تجھ کو ہوگا پچھتانا
جو دو بجے وہ پہر واں اگر گزرے | تو نہ پائے گی گاڑی اور گھوڑے

گاڑی ہو جائے گی کدو تیری بات یہ بھولنا نہ تو میری
گھوڑے ہو جائینگے سبھی چوہے یہاں اور سائیس بھی نہ ہونگی وہاں
بن کے گرگٹ وہ بھاگ جائینگے پڑینگے تیری جان کے لالے
کوچ میں ہوگا تیرا جو چوہا اور اک پل میں بھاگ جائیگا
تیری پوشاک بھی نہ یہ ہوگی بس خبردار رہیو اے بیٹی
کہہ یہ بات بس پری چلدی رانیہ بیگم بھی اب روانہ ہوئی
اس کی گاڑی جو پہنچی پھاٹک پر سنتری تھے ہزار پہرے پر
دیکھی گاڑی کی جب یہ شوکت و شان سنتری ہو گئے بہت حیران
پہنچے دو چوبدار محل میں کہ خبر شاہزادے کو دیدیں
بولا ایک چوبدار جوڑ کے ہاتھ عرض کرنی ہے ایک ضروری بات
در دولت پہ ایک گاڑی ہے جس میں شاہزادی ایک آئی ہے
کیا کہیں ہم حضور اُس کی شان عقل ہے بس سبھوں کی حیران
شاہزادی ہے چاند سے بڑھکر اور بیاں کیا ہوں اسکے کروفر
اس کی گاڑی جواہرات کی ہے کوچ میں اُس کا ایک دیو ہے
مونچھیں اُس کی ہیں میل بھر لمبی سر پہ اُس کے ہے لعل کی کلغی
اس کے سائیس بھی نرالے ہیں پہلے گورے تھے اب وہ کالے ہیں
اس کی گاڑی کے ہیں عرب گھوڑے ساز ہیں جو اہرات جڑے
جب ہی شہزادیکا یہ جاہ و جلال ہے مناسب حضور استقبال -

شاہزادہ گیا جو بچ ٹک پہنچ
ہوش بس اڑ گئے ہوا ہو کر

راکھ بیگم کا رعب بیٹھ گیا
ڈر کے شہزادہ اب قریب گیا

ہاتھ آ گئے بڑے ادب سے بڑھا
اس کو گاڑی سے تب اتار لیا

راکھ بیگم جو محل میں آئی
بد حواسی سبھوں پہ اک چھائی

جتنے حاضر تھے شاہ کے مہمان
راکھ بیگم کی دیکھتے تھے شان

کوئی کہتا بڑی ہے شہزادی
کوئی کہتا کہ ہے یہ کوئی پری

دونوں بہنیں بھی تھیں وہاں جہاں
راکھ بیگم کو دیکھ تھی حیران

ایک بہن بولی یہ پری ہوگی
کاش میں اس کی چھوکری ہوتی

دوسری بولی - سچ ہے تو کہتی
اس کی باندی بھی ہم سے ہے اچھی

راکھ بیگم کے پاس شہزادہ
بیٹھا بس منہ کو اس کی تکتا تھا

اب بچھا اک بڑا سا دسترخوان
اور کھانے کے آئے خوان پہ خوان

قسمیں کھانے کی کس طرح ہوں بیان
لاکھ قسموں کا طول ہوگا بیان

کچھ نمونے کے طور پر سن لو
رابعہ فرخ - آمنہ - شبو

سونے کے ورقوں سے پراٹھے تھے
چاندی کے ورقوں کے سموسے تھے

سونے کے تار کی سوئیاں تھیں
جو کہ باریک پتلی بال سے تھیں

موتیوں کا پلاؤ زردہ تھا
پیل کے دودھ کا ہریسہ تھا

مرغ کے پائے مچھلیوں کے کباب
ریشمی روٹیاں تھیں جیسے حباب

پیلی پیلی گلوریوں کی کڑھی
جس میں کتری ہوئی پیاز پڑی

اور شاہی کباب تلے ہوئے — کھچڑی کی کلیجی ۔ دل گردے
الغرض کھانے تھے عجیب و غریب — اس زمانے میں جو نہیں ہیں نصیب
رانی بیگم کو شاہزادہ اب — پیش کرتا تھا کھانے سب باادب
اپنی باری پر رانی بیگم نے — اپنے کھانوں سے تھوڑے پیش کیے
رانی بیگم کی اس توجہ پہ — کھلیں خوشی سے وہ جامے سے باہر
سمجھیں دل میں کہ تیر آیا کام بھی — شاہزادی نے جو توجہ کی
لہو و عشرت کے ناچ ہونے لگا — رانی بیگم نے شوق سے دیکھا
لیکن آخر اسے جو اب گھڑی دیکھا — آگئی تھی قریب دو کی سوئی
پس وہ گھبرا کے جلسے سے اٹھی — اپنی گاڑی میں جا سوار ہوئی
رانی بیگم کا یوں چلا جانا — سارے جلسے کو اک اچنبھا تھا
سمجھ گیا شاہزادہ بھی فی الفور — اور کہنے لگا وہ دل میں بغور
کون خاتون تھی کہاں کی تھی — پھرتی تھی دل میں وہ ہی شاہزادی
دونوں بہنیں بھی جلسے سے آئیں — رانی بیگم اب ان کے پاس گئی
اپنی آنکھوں کو ہاتھوں سے ملتی — جیسے سوتے ہو ابھی اٹھی
رانی بیگم نے ان سے یوں پوچھا — بہنو کیسا ہوا یہ جلسہ
بولیں کیا پوچھتی ہو جلسے کو — نہ ہوا تھا کبھی نہ ایسا ہو
آئی جلسے میں ایک شہزادی — جس کی سونے کی تھی نری گاڑی
اس کی صورت تھی چاند کا ٹکڑا — اس کے زیور کا کیا بھلا کہنا

کیا کہیں اُس کے کیسے تھے کپڑے — وہ چمکیلے جن میں لعل موتی جڑے
بس وہی تھی ایک جلسے میں — اُس کی تعریف کیا بیان کریں
ہمیں لیکن بڑی عنایت کی — اپنے کھانا لاؤں سے ہم کو دیتی تھی
لیکن اس کا بڑا تعجب تھا — کہ کسی نے نہ جانا نام اس کا
نہیں معلوم وہ کہاں کی تھی — تھی مگر قاف کی وہ کوئی پری
راکھ بیگم نے تب کہا بہنو — تم ہمیں بھی یہ جلسہ دکھلا دو
کپڑے لیکن ہمارے پاس نہیں — کاش ایسے ہی ہم کہیں دیکھیں
دو اگر رات مجھ کو اک جوڑا — راکھ بیگم بھی دیکھ لے جلسا
اس پہ بولیں وہ دونوں ہو کر خفا — بیٹی کی کو بھی لوز کا سم ہوا
اپنا آئینے میں تو دیکھئے حال — راکھ بیگم یہ منہ مسور کی دال
دیکھئے جھاڑو مانجھئے برتن — اب نہ اس منہ سے ہم کو کہو بہن
دوسری رات کل کو جب آئی — بہنوں کی جلسہ کو چلی گاڑی
راکھ بیگم بھی ہو گئی تیار — جلسے میں پہنچی جا وہ ہو کر سوار
آج کے ٹھاٹھ اور ہی کچھ تھے — سارے سامان کل سے بڑھ چڑھ کر
شاہزادہ تو انتظار میں تھا — راکھ بیگم کو اس نے ساتھ لیا
لیکن بہت سے خوب ناچ ہوا — راکھ بیگم نے شوق سے دیکھا
ویسی جلسے میں وہ ہوئی مشغول — کہ گئی بات کو پری کی بھول
لیک جس دم اسے جو یاد آئی — اُس نے گھبرا کے جب گھڑی دیکھی

دو میں باقی رہا تھا ایک منٹ — بھاگی جلسے کو چھوڑ وہ جھٹ پٹ
ایک گرگابی رہ گئی پیچھے — اور جب تک وہ نکلے پھاٹک سے
دو گھڑی نے بجا دیئے ٹن ٹن — حال اب کیا بیان ہو شتو بہن
گاڑی تو ہو گئی کدو جھٹ پٹ — اور سائیس ہو گئے گرگٹ
کوچ میں اس کا بن گیا چوہا — اور اک پل میں بس وہ بھاگ گیا
گھوڑے بھی چوہیاں بنے اسکے — راکھ بیگم کے اب حواس گئے
چیتھڑے اس کے ہو گئے کپڑے — راکھ اور دھول میں تھی جو لتھڑے
رہ گئی صرف ایک گرگابی — ہاتھ میں جس کو لے کے وہ بھاگی
گرتی پڑتی وہ جا کے گھر پہنچی — نہیں پکڑی گئی یہ خیر ہوئی
رہ گئی پیچھے تھی جو گرگابی — شاہزادے کو وہ کسی نے دی
لے کے اس کو وہ آیا پھاٹک پر — سنتری تھے جہاں کھڑے پہرے پر
ان سے پوچھا کہاں ہے شہزادی — اور کدھر ہے وہ سونے کی گاڑی
سنتری بولے کیسی شہزادی — کوئی شہزادی یاں نہیں آئی
میلی سی ایک چھوکری تو ضرور — گئی پھاٹک سے بھاگتی ہے ضرور
الغرض جب کہیں پتہ نہ چلا — شاہزادہ بہت اداس ہوا
بادشہ سے یہ اس نے جا کے کہا — شاہزادی کا کچھ نہیں ہے پتا
رہ گئی ہے یہ پیچھے گرگابی — جس کے پاؤں میں ٹھیک آئیگی
وہ ہی شہزادی وہ یقینی ہے — جو کہ جلسے سے اٹھ کے بھاگی ہے

حکم شاہی وہیں ہوا جاری — ڈھونڈ کر جلد لاؤ شہزادی
لے کے گرگابی کو قوال چلا — سب کے پیروں میں اس کو ڈالتا تھا
وہ تو جادو بھری تھی گرگابی — کسی کے پیر میں نہ ٹھیک آئی
پھر رہا تھا وہ ہر جگہ دیکھا — راکھ بیگم کے گھر بھی جا پہنچا
ایک بہن بولی یہ نصیب سے کھلے — میرے پاؤں میں گر یہ ٹھیک آئے
جلد ہو جاؤں گی میں شہزادی — اور گرگابی پاؤں میں ڈالی
وہ تو جادو کی تھی بنی بالکل — ہو گئی ڈھیلی صاف نو انگل
جب نہ پاؤں میں اس کی ٹھیک آئی — اپنی خفت پہ خوب شرمائی
دوسری بولی بس ادھر لاؤ — پیر میں میرے اس کو پہنا دو
بدلا گرگابی نے اب اور ہی رنگ — ہو گئی پورے آدھ انگل تنگ
ٹھونستی تھی وہ اس میں اپنا پیر — راکھ بیگم یہ دیکھتی تھی سب
جب نہ دونوں کے پیر میں آئی — راکھ بیگم بھی سامنے آئی
بولی گرگابی میں ذرا دیکھوں — اپنے پاؤں میں بھی اسے ڈالوں
سن کے یہ بات بولی ایک بہن — چل ہٹ تجھے دور ہو اری بھکارن
بانس کی پھنکنی لے کی بس دوڑی — راکھ بیگم پہ آ کے ٹوٹ پڑی
پھنک رہی تھی وہ غصہ کے مارے — اس کے دیدے تھے لال انگارے
دیکھا یہ حال کو قوال نے جب — ایسے غصہ کا اس نے پوچھا سبب
بولیں یہ چھچھوکری ہماری ہے — اور ہماری سیانی کرتی ہے

تب کہا کوتوال نے سن لو
بادشہ کا یہ حکم ہے تجھ کو
ہر کسی کو پہناؤں گرگابی
اور دیکھوں وہ کس کے ٹھیک آئی
راکھی بیگم کو اس کے پاس بلا
اس کے چہرے کو غور سے دیکھا
اور غصے سے ہو گیا وہ لال
دونوں بہنوں سے بولا وہ کوتوال
تم اسے چھپا کے کیا بیٹھی ہو
اس کے آگے تو تم بچاری ہو
اس کی صورت خدا کی ہے قدرت
درحقیقت ہے نور کی صورت
راکھی بیگم کے اس پا گرگابی
اپنے ہاتھوں سے پیر میں ڈالی
ٹھیک آئی وہ اس کے پیر میں جب
ہو گیا۔ کوتوال کا مطلب
ہوئی بہنوں کو سخت حیرانی
کہ بنی راکھی بیگم اب رانی
گر پڑیں دونوں اس کے قدموں پر
اور کہنے لگیں وہ رو رو کر
تم ہماری ہو آنکھ کی پتلی
تم ہو جان سے کہیں پیاری
اس کی دونوں بلائیں لیتی تھیں
اس پہ قربان دونوں ہوتی تھیں
ایک بولی ارے چھپاؤ اسے
میری سلطانی کو نظر نہ لگے
گر ہوا اس کا رونگٹا میلا
ابھی گھر میں پڑے گی واویلا
دونوں بہنوں کا مدعا سمجھو
رابعہ۔ فرخ۔ آصف۔ شبّو
یعنی گرگابی جب کہ ٹھیک آئی
راکھی بیگم تو اب تھی شہزادی
اب نہ کچھ ڈر اسے نتیجہ ہوتا
بس خوشامد ہی ایک وسیلہ تھا
دیکھ لو حال ہے یہ دنیا کا
کہ مصیبت میں کون ہے کس کا

آپ نے دیکھ لی جو حالت ہے
شاہزادے کی اس سے ذلت ہے

رانی بیگم نے جب یہ بات کہی
بس کڑکنے لگی وہیں بجلی

ایک بادل سیاہ کاجل سا
ایک دم آسمان پہ چھایا

اس قدر زور سے گرجتا تھا
کہ کلیجہ لرزتا تھا سب کا

ایک دم سے وہ پھٹ گیا بادل
اور پریوں کے آئے تخت نکل

سب کی سردار اک سنہری پری تھی
رانی شانگی لال یعنی لال پری

ایک پلٹن تھی دیوؤں کی ہمراہ
زرد تھا کوئی اور کوئی سیاہ

سر پہ تھے ان سبھوں کے سینگ بڑے
ریچھوں کی طرح سے بال کھڑے

دانت ان کے تھے ساٹھ گز لمبے
ڈیل ان کے پہاڑ کے جیسے

آگ کے گرز ان کے ہاتھ میں تھے
گینڈے اور ناگ ان کے ساتھ میں تھے

ناک ان کی تھی سونڈ جیسے ہوتی
سر پہ تھی ان کی تاڑ کی چوٹی

ایک ان میں سبھوں کا تھا جرنیل
ڈاڑھ میں اس کی ایک دبا تھا بیل

دیونی ایک اس کے ساتھ میں تھی
جس کی مٹھی میں لٹکا تھا ہاتھی

اس نے بالوں میں ناگ گوندھے تھے
بھاڑ کی طرح لال نتھنے تھے

دیکھا جس دم یہ کوتوال زرجوش
ڈر سے بیچارہ ہو گیا بیہوش

آدھ گھنٹے میں اس کو ہوش آیا
رانی بیگم نے تب پری سے کہا

ہیں یہ کوتوال آدمی اچھے
مجھ کو یہ مار سے بچاتے تھے

بات یہ سن کے تب پری بولی
ان کو انعام دیتی ہوں ابھی

ہر اک بچہ بڑا ان کو جانتا تھا — غرض ان کے ناموں کا عا وظیفہ تھا

وہ جنگل میں جا جب وقت کرتے تھے بازی — خوشی سے یہ ساتھ انکے ہوتا تھا خود بھی

خوشی میں گذرتی تھی یوں سب عمر انکی — مسرت ہر اک روز ہوتی تھی دونی

مصیبت ہے کیا شئے نہ اسکی خبر تھی — زمانے کی گردش کبھی تھی نہ دیکھی

ہر اک روز سے کب خبر ان کو کرنا — بھلائی زیادہ ہو کل سے پہ سرنا

یکایک زمانے نے کروٹ کو بدلا — خوشی کے فلک پر غم ابر چھایا

خزاں نے بہار مسرت کو لوٹا — حوادث نے اب آن کر انکو گھیرا

مصیبت کی کالی گھٹا آن کے چھائی — زمانے نے چشم مروت پھیر لی

نحوست نے انکے وطن کو تھا گھیرا — کہ قبضہ میں غیروں کے تھا ملک انکا

غلامی نے ڈالا تھا اس جا پہ ڈیرا — پتہ کچھ نہ آزاد رہنے کا تھا

ستانے کی تھی حکمرانوں نے ٹھانی — بہت شاق یاروں پہ تھی زندگانی

یہ قسمت نے کی انکی الٹی رسائی — حکومت پہ نااہل نے راہ پائی

قیامت کی ظالم میں تھی خود نمائی — ریاست کو سمجھا تھا اپنی خدائی

چڑھی تھی تکبر کی مستی شقی کو — سمجھتا نہ تھا آدمی آدمی کو

حکومت کے نشے میں از راہ نخوت — نئی سوجھی اک دن ظالم کو شرارت

بلندی پہ رکھکر کلاہ شقاوت — دیا حکم اسنے کہ ساری رعیت

کرے اس کو سجدہ وہ جو جان پیارا — جھکائے گر کوئی اور گردن اتارے

یہ موقع مناسب سے اس ارادہ نہ آیا — ستمدید افسردگی کے اٹھا کھڑا تھا

مگر ہے خدا پتا اچھا نشانہ ہے مائل — خطا پوش حق نے دیا ہے جو دل

کہ اس اپنے فن کا جو دکھلائیگا یہ — سلامت یہاں سے چلا جائیگا یہ

سنا ہے سوئس ہوتے ہیں تیر افگن — ہر اک شخص ان میں ہے مانند ارجن

نشانہ اڑانے میں کرتے ہیں جو فن — ہے اس فن کے باعث ہی نام آشکارا

مجھے امتحان اس کا مد نظر ہے — کہ دیکھوں کہاں تک یہ سچی خبر ہے

کھڑا تھا وہاں ٹیل کا معصوم بچہ — قریب اپنے ظالم نے اس کو بلایا

کیا باندھ کے اس کے اشارہ — اور ایک سیب بھی سر پر اسکے رکھایا

یہ آفت نظر آئی جس دم پسر کو — لگا تکنے حسرت سے اپنے پدر کو

کلیجے پہ ٹیل کے لگا ایک نشتر — چھلکنے لگے اس کی آنکھوں کے ساغر

رہا نہ جب قابو کسی طور دل پر — پکارا کہ کرتا ہے کیا او ستمگر

خطا ہے اگر کچھ تو میری خطا ہو — میرے لخت دل نے ترا کیا کیا ہو

خدا کے لئے اس پہ تو رحم فرما — خطا سے بری ہے یہ معصوم بچہ

قصور اس کا کیا ہے ذرا دل میں ٹھہرا — کہیں قہر نازل نہ ہو کبریا کا

اگر تجھکو منظور ظلم و جفا ہے — نہ کر دیر حاضر مرا یہ گلا ہے

کہا تب گورنر نے مکر و ریا سے — عداوت نہیں مجھکو اس لڑکے سے

مجھے فائدہ کیا ہے اس پر جفا سے — بڑے شوق سے اس کی دعا ہے خدا سے

اگر خون سے اس کے رنگین نہ ہو تو — تو قاتل بھی اس کے یقیناً تمہیں ہو

اٹھا کر کماں لیس ہو جاؤ اب تم — نہ سہمو ذرا اور نہ چلاؤ اب تم

فہرست کتب بحثاور کیمپنی اسلامی کتب خانہ رسل گنج علیگڑھ

رفیق الزائرین گھر بیٹھے تری اور خشکی کے راستہ بغداد کا سفر، بصرہ، ایران کی سیر اور عتبات عالیات، عراق کی زیارت کرنی ہو تو اس کتاب کو ملاحظہ کیجئے اور بوقتِ سیاحت اپنے ساتھ رکھئے یہ آپ کو ایک تجربہ کار گائیڈ اور سچے رہنما کا کام دیگی۔ اس میں بغداد و بصرہ۔ مشہد مقدس۔ طہران۔ دمشق و بیت المقدس کے مزارات کا تذکرہ اور فوٹو دئے گئے ہیں۔ گویا ایک رہبر بنکر ان چشم دید مقامات کی سیر کرائی ہے جن کے حالات ذہن میں موجود ہیں اور یادی النظر میں ہر سیاح کو محفوظ کریں۔ قیمت ۱۲

معین الحجاج جس میں عازمانِ حج اور زائرین حرمین الشریفین کی رہنمائی کیلئے راستے کے متعلق ہدایتیں راستے کے شہروں کا حال اور زیارات کی کیفیت۔ ارکانِ حج۔ ادعیۂ ماثورہ و آداب زیارت درج ہیں اس مختصر اور پُر مطلب رسالے سے حجاج کا مقصد باآرام تمام پورا پورا حاصل ہو سکتا ہے۔ یہ ایک ہمدرد معلّم کا کام دیگا اور ارکان حج پورا کرادیگا۔ قیمت ۲

دُعائیں ماثورہ دُعا اور اس کے عرض کرنے کا طریقہ حدیث کی رو سے اور سینہ بہ سینہ مجرب دعائیں اور رباعیات دعائیہ و مناجاتیں جو آج تک ایک جگہ جمع نہیں ہوئی تھیں اُن کا ورد کرنا ہر طرح کا دینی اور دنیوی فائدہ بخشتا۔ طبیعت میں نور اور دل میں

سرور پیدا کرتا ہے - اور ہم خرما و ہم ثواب کا مصداق ہے۔ قیمت ۳ر

عقلی مناظرے یہ اُن دلچسپ منظوم عقلی مناظروں کا مجموعہ ہے جو کبھی کبھی کسی اردو کورس یا ماہوار رسالے میں چھپے ہونگے اور ایک جگہ جمع ہو کر شائع نہیں ہوئے۔ بعض مناظرے بالکل نئے ہیں جو کبھی بھی شائع نہیں ہوئے - علم و ادب کے شائقین ضرور ملاحظہ فرماویں۔ مؤلف کی محنت کی داد دیں۔ سکولوں کی لائبریری کیلئے بہترین کتاب ہے۔ قیمت ۴ر

مرقع ہند تاریخ ہند کی دلچسپ کہانیاں اپنی صحیح ہیں یہ ہیں - اس موضوع پر جو اور کتابیں مدرسوں میں رائج ہیں وہ کم و بیش مختصر تاریخ ہند کا درجہ رکھتی ہیں - اُن میں چھوٹے بچوں کیلئے دلچسپی کا سامان بہت کم ہے۔ تاریخی قصص و حکایات جھوٹے اور مصنوعی قصوں کی نسبت زیادہ مفید واسطے ہیں۔ اس لئے کہانیاں بھی سچی ہیں اور نصیحت آمیز ہوتی چاہئیں۔ اس کتاب میں سب باتوں کا خیال رکھا گیا ہے - بطور نمونے ضرور منگا لیجئے - یہ بطور ٹیکسٹ بک سکولوں میں رائج بھی ہے۔ قیمت حصہ اول ۵ر حصہ دوم ۸ر

سیر شاہجہاں آباد اس میں شہر دہلی اور اس کے گرد و نواح کے مشہور مقامات و عالیشان عمارات کا حال ہے اور فوٹو کے نقشوں کے ذریعہ یہاں کی سیر کرائی ہے - یہ کتاب سیاح کیلئے رہبر ہے بغیر اسکے بہت سے مقامات دیکھنے سے رہ جاتے ہیں اور شہر کی سیر کا پورا لطف حاصل نہ ہوگا یہ انگریزی اور ہندی میں بھی چھپی ہے - چھٹا ایڈیشن ہے۔ قیمت ۴ر

ہند کا بغداد یعنی شہر لکھنؤ کی گائیڈ۔ اس میں دار السلطنت اودھ کے مشہور مقامات کے حالات، عمارات کے نقشے، دلچسپ مناظر اور شاہانِ اودھ کی سوانح عمریاں اور اُن کے اور اُن کی بیگمات کے مستند فوٹو دیئے گئے ہیں۔ اگر آپ اُنسے انٹروڈیوس ہونا چاہئیں تو اس کتاب کے ذریعہ اُن کو اپنے یہاں بلا کے ملاقات کیجئے اور محلات، اور عالیشان مقامات کی سیر کیجئے۔ مضامین کی خوبی دیکھتے ہوئے قیمت کچھ بھی نہیں ہے۔ ایک دفعہ پڑھنے میں دام وصول ہیں۔ قیمت سہ/

سیرِ اکبر آباد جس میں شہر آگرہ۔ فتحپور سیکری اور اس کے قرب و جوار کے مشہور مقامات و عالیشان عمارات کے حالات ہیں۔ اور فوٹو کے نقشوں کے ذریعہ سیر کا لطف دوبالا کر دیا ہے۔ کون ہے جس کا دل ایسے نامور تاریخی شہروں کی سیر کو نہیں چاہتا۔ لیکن اس کتاب کے ذریعہ سیر کرنا اور ہی مزے کا ہے۔ گھر بیٹھے سیر دنیا یہ مزہ کتاب میں دیکھا۔ اس ہی پر صادق آتا ہے۔ اس میں مغل بادشاہوں کے فوٹو بھی ہیں۔ قیمت سہ/

گلاب کا پھول یعنی ڈیڑھ سو سے زیادہ مضامین نظم و نثر کا مجموعہ جس سے بچوں کے اخلاق سدھارنے اُن میں مطالعہ کا شوق مضمون نگاری کا ذوق۔ اعلیٰ خیالات۔ حمیت اور اولوالعزمی پیدا کرنے۔ علوم دینی و دنیوی۔ اتباعِ شریعت۔ اصلاحِ طرزِ معاشرت۔ تہذیب باہمی۔ اتفاق و اتحاد اور حب الوطنی کی ترغیب دی گئی ہے۔ قیمت مر

فہرست کتب بچگان و بچیاں اصلاحی کتب خانہ رسل گنج علیگڑھ

مرقع ہند حصہ اول۔	۱۵ر	گلاب کا پھول (نظم و نثر)
〃 〃 دوم۔	۶ر	طلسم کشا بہرام
عقلی مناظرے۔ (منظوم)	۴ر	ہنسی کا گول گپا۔
جغرافیہ کی کتاب (چوتھی کیلئے)	۳ر	ملا اور شیطان (سولہ کہانیاں)
امتحانی سوالات (آٹھویں تک)	۲ر	نجومی (تقدیر و تدبیر کا انکشاف)
اکبر اعظم کی سوانح عمری۔	۴ر	مہر تاباں (جوش محبت کی تصویر)
اورنگ زیب عالمگیر۔	۲ر	دلپذیر کہانیاں۔
پھولوں کا ہار اور موتیوں کی مالا۔	۲ر	دل پسند کہانیاں۔
کرشمہ حسد (ایک دلچسپ قصہ)	۳ر	حکایات دلچسپ۔
ہیرے کی قیمت (دلچسپ ناول)	۳ر	شیخ چلی کی کہانیاں۔
سیر دہلی، شاہجہاں آباد۔	۲ر	گلشن ادب (چوتھی جماعت کیلئے)
آگرہ کا بنڈیار ہنا سے آگرہ۔	۲ر	ادبی جواہر (پانچویں جماعت کیلئے)
ہند کا بغداد یا سیر لکھنؤ۔	۲ر	تاریخی فسانے اور دلچسپ کہانیاں۔
تسہیل القرآن (عربی کا قاعدہ)	۲ر	بہار گل (سات دلچسپ قصے)
رسالہ گمنڈر گا رٹن۔	۲ر	دعائیں ماثورہ و صلوٰۃ الحاجات۔
رفیق الحجاج (حاجیوں کیلئے)	۴ر	رفیق الزائرین (زائرین کا رہنما)